وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۵۲
شمارہ: ۹
رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
ستمبر ۲۰۰۳ء
فی شمارہ ۱۲/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

اداریہ
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

☆ اندرون ملک 125 روپے
☆ ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ 800 روپے
☆ امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ 1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 03-02-5869501
فیکس: 5834000 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

✿ **عرض احوال** _____ 3

حافظ عاکف سعید

✿ **منتخب نصاب ۔۲** _____ 5

'حزب اللہ' کی تشکیل میں فیصلہ کن عامل

بمقابلہ 'حزب الشیطان'

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **دعوت و تحریک** _____ 28

تنظیم اسلامی شمالی امریکہ

ماضی' حال اور مستقبل

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **گوشہ خواتین** _____ 55

خاتون خانہ کی محنت کا معاوضہ.....؟

محمد عطاء اللہ صدیقی

✿ **دنیائے اسلام** _____ 61

ازبکستان

سید قاسم محمود

❁ ❁ ❁

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

گزشتہ ماہ ہم نے بحیثیتِ قوم ۵۶ واں یوم آزادی منایا۔ گو اس بار سرکاری سطح پر جشن تو نہیں منایا گیا تاہم یوم آزادی کے حوالے سے معمول کی سرکاری وغیر سرکاری تقریبات کا انعقاد بھی ہوا اور عمائدین قوم کے بلند بانگ دعاوی پر مشتمل برس ہا برس کے گھسے پٹے معمول کے بیانات بھی سننے اور پڑھنے کو ملے جن میں ان نیک عزائم کا ببانگ دہل اعلان بھی شامل تھا کہ ''ملکی سالمیت پر آنچ نہیں آنے دیں گے'' اور ''کسی کو وطن عزیز پر میلی نگاہ ڈالنے کی اجازت نہیں دی جائے گی'' وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ عالمی پریس میں پاکستان اور پاکستانی قوم کے حوالے سے جو تبصرہ آمیز بیانات ان دنوں شائع ہوئے ان میں ہماری جگ ہنسائی کا عنصر بہت نمایاں تھا۔ دنیا جان چکی ہے کہ یہ قوم تضادات کا مجموعہ ہے' باہمی نا اتفاقی اور اندرونی خلفشار کی شکار ہے' زمینی حقائق کا مواجہہ کرنے کی بجائے خوابوں کی دنیا میں رہنے کی عادی ہے' ۵۶ سال گزرنے کے بعد آج بھی سیاسی طور پر نابالغ ہے کہ متعدد مارشل لاؤں اور فوجی آمروں کے سائے تلے پروان چڑھنا اس کا مقدر ہے' معاشی دیوالیہ پن ہی نہیں اخلاقی افلاس سے بھی ہمکنار ہو چکی ہے' القصہ یہ کہ پاکستان ایک ناکام ریاست ہے۔

پاکستان کے ساتھ خلوص و اخلاص رکھنے والے ہر شہری کے لئے عالمی پریس کی طرف سے ''ناکام ریاست'' کا طعنہ شدید ذہنی کرب و اذیت کا موجب ہے۔ واقعتاً یہ طعنہ ہماری غیرتِ قومی کے لئے ایک طمانچے سے کم نہیں۔ لیکن کیا کریں' زمینی حقائق فی الواقع نہایت تلخ ہیں' اس طعنے میں جزوی صداقت ضرور موجود ہے۔ کیا سطورِ بالا میں بیان کردہ حقائق پاکستانی معاشرے کی صحیح عکاسی نہیں کر رہے؟ —— کیا یہ درست نہیں ہے کہ ہمارے تمام قومی ادارے تباہی و بربادی کی آخری حدوں کو چھو رہے ہیں' اور ''اِک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا۔ اس کو بھی تو نے آخر چرکا لگا کے چھوڑا'' کے مصداق واحد بچ رہنے والا ''مقدس ادارہ'' جسے ہم فوج کے نام سے جانتے ہیں' آج اپنا تقدس و احترام کھو کر عوام کی نگاہوں میں جبر و استحصال کی علامت بن چکا ہے۔

نفاق کی علامات یعنی کرپشن' وعدہ خلافی' جھوٹ اور باہمی نا اتفاقی جیسے مہلک امراض

پورے جسد ملی پر پھوڑے پھنسیوں کی مانند اس طرح مسلط نظر آتے ہیں کہ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم!—— منصوبہ بندی' پلاننگ' ملکی تعمیر و ترقی کے لئے مخلصانہ غور و فکر' قومی مفادات کے لئے ذاتی مفاد کی قربانی' یہ سب محض الفاظ ہیں جن کا خارج میں کوئی مصداق دور دور نظر نہیں آتا۔ ۵۶ برس گزرنے کے باوجود آج بھی ہم اپنی منزل کا تعین نہیں کر سکے۔ حد تو یہ ہے کہ ہماری کوئی تعلیمی پالیسی بھی آج تک معین نہیں ہو سکی۔ اس کشتی کے ناخدا ہی نہیں عوام بھی منزل کے شعور سے بے بہرہ نظر آتے ہیں۔ ان کی عظیم اکثریت کو تو مہنگائی' یوٹیلٹی بلوں اور نت نئے ٹیکسوں کی بھرمار نے ہوش و خرد سے بیگانہ کر دیا ہے—— ان حالات میں کیا یہ کہنا غلط ہوگا کہ ۵۶ سال قبل اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک کی مثال آج بے لنگر کے جہاز کی ہے اور پاکستانی قوم ایک کٹی ہوئی پتنگ کا نقشہ پیش کر رہی ہے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ آزادی کی جو عظیم نعمت ہمیں نصف صدی قبل حاصل ہوئی تھی وہ بھی بڑی تیزی کے ساتھ ہمارے ہاتھوں سے پھسل رہی ہے—— ہم ''کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری'' کے مصداق بہت حد تک اپنی آزادی سے خود ہی دستبردار ہو چکے ہیں اور اسے طشت میں رکھ کر اپنے امریکی آقاؤں کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں اور باقی ماندہ بچی کھچی آزادی بھی شدید طور پر معرضِ خطر میں ہے' لیکن بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ ہم اب بھی جاگنے کو تیار نہیں ہیں۔

سیدھی سی بات یہ ہے کہ ہم جب تک بحیثیت قوم اپنا قبلہ درست نہیں کریں گے اور جب تک پاکستان کی اصل منزل یعنی حقیقی اسلام کی طرف مثبت اور ٹھوس پیش رفت نہیں کریں گے' ہماری حالت کے سدھرنے کا بظاہر احوال کوئی امکان نہیں ہے۔ اس ایک راستے کے سوا ہمارے لئے اب کوئی چارۂ کار نہیں۔ اس ایک حل کے سوا جو حل بھی پیش کیا جائے گا وہ محض الفاظ کا مجموعہ ہوگا۔ ایسے الفاظ جو معنویت سے خالی اور محض خود فریبی کے موجب ہوں گے۔

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا!

درس ۴

'حزب اللہ' کی تشکیل میں فیصلہ کُن عامل

بمقابلہ 'حزبُ الشیطان'

نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم ..... امّا بعدُ :

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ..... بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ۞ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ۞﴾(المائدۃ:۵۵'۵۶)

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ ؕ مَا ھُمْ مِّنْکُمْ وَلَا مِنْھُمْ ۙ وَیَحْلِفُوْنَ عَلَی الْکَذِبِ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ۞ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ اِنَّھُمْ سَآءَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۞ اتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّۃً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَلَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ ۞ لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ؕ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ؕ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۞ یَوْمَ یَبْعَثُھُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَہٗ کَمَا یَحْلِفُوْنَ لَکُمْ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ عَلٰی شَیْءٍ ؕ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ ۞ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰھُمْ ذِکْرَ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗٓ اُولٰٓئِکَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ۞ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۞

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْاِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿﴾ (المُجادلة:٢٢)

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿﴾ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿﴾﴾ (المُمتحنة:٨،٩)...... صدق اللہ العظیم

قبل ازیں ہم سورۃ الفتح کی آخری آیت اور پھر سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۴ (جو مذکورہ بالا دو آیات سے متصلاً قبل ہے) میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ جو اجتماعیت اقامت دین' غلبۂ دین' اعلائے کلمۃ اللہ' تکبیر ربّ' حکومتِ الٰہیہ کے قیام یا اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے عظیم مقصد کے لئے قائم ہو' اسے کن اوصاف سے متصف ہونا چاہئے۔ اوّل تو ہم نے سورۃ الصّف کی آخری آیت سے یہ سمجھا کہ اس جماعت کی ہیئت تشکیلی اس طور سے وجود میں آتی ہے کہ کوئی ایک داعی ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾ کی پکار لگائے اور کچھ باہمت لوگ ﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ کا نعرہ لگاتے ہوئے اس کا ساتھ دینے پر کمرِ ہمت کس لیں۔ یہی بات ہمیں سورۃ الفتح کی آخری آیت میں ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ﴾ کے الفاظ میں ملی۔ اس مقصد کے لئے اب آئندہ جو اجتماعیت بھی قائم ہوگی' ظاہر بات ہے کہ اس میں ایک چیز نہیں ہوگی' یعنی جو بھی کوئی شخص کھڑا ہوگا وہ نبی اور رسول نہیں ہوگا' باقی اس اجتماعیت کا پورا خاکہ مکمل تفاصیل کے ساتھ ہمیں سیرتِ نبویؐ ہی سے لینا ہے۔ مندرجہ ذیل شعر اگرچہ بعض اعتبارات سے نامناسب ہے لیکن اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے اس بات کو بہت خوبی کے ساتھ

واضح کرتا ہے کہ ؎

زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر
یا وہ جگہ بتا کہ جہاں پر خدا نہ ہو!

تو ظاہر بات ہے کہ ہمیں جماعتی زندگی کا پورا نقشہ وہیں سے لینا ہے' وہی ہمارے لئے اُسوۂ کاملہ ہے' البتہ اس میں سے جو حصہ ہمیشہ ہمیش کے لئے ساقط ہو چکا ہے اس کو اپنے ذہن سے بھی دُور رکھنا ہے' کہیں اس مغالطے میں مبتلا نہیں ہو جانا۔ اس کے لئے شعوری طور پر اپنی حفاظت کا اہتمام کرنا ہے کہ کہیں غلو نہ ہو جائے' کہیں حدّ اعتدال سے تجاوز نہ ہو جائے۔

اقامت دین کی جدوجہد کرنے کے لئے جو لوگ ایک جمعیت کی شکل اختیار کر لیں ہم نے ان کے اوصاف کی تین جہات (dimensions) معین کی تھیں ــــ اوّلاً تعلق مع اللہ' ثانیاً آپس کا رشتۂ اخوت و رفاقت' اور ثالثاً جو مقابلے پر ہوں' یعنی کفار' ان کے ساتھ اس کے برعکس ایک کیفیت۔ اور یہ تیسری چیز اصل میں جہاد فی سبیل اللہ ہے' یعنی جان اور مال کا کھپانا۔ جہاں تک جہاد کا تعلق ہے اس کے مقتضیات' اس کے تقاضے' اس کے مراحل اور اس کے لوازم چونکہ ہمارے منتخب نصاب (نمبر ایک) میں بالتفصیل بیان ہو جاتے ہیں لہٰذا اس نصاب میں ہم نے ان کو شامل نہیں کیا۔ اسی طرح تعلق مع اللہ کا بیان بھی ایمان کے مباحث میں تفصیلاً زیر بحث آ جاتا ہے۔ البتہ اب ہمیں جن چیزوں پر گفتگو کرنی ہے ان میں ایک تو وہ باہمی رشتۂ اخوت و رفاقت ہے جو اس اجتماعیت کے اندر مطلوب ہے' اور پھر یہ کہ اس کے برعکس جو لوگ مدّ مقابل ہوں' جو اِس جدوجہد میں مزاحم ہو رہے ہوں' ان کے ساتھ طرزِ عمل کیا ہو۔ دوسرے یہ کہ پیش نظر اجتماعیت کی صورت میں جو نظم قائم ہو رہا ہے اس میں داعی اور وہ لوگ جو اُس کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس کے اعوان و انصار بن کر حاضر ہو رہے ہوں' ان کے مابین ایک نئی نسبت امیر اور مامور کی قائم ہو رہی ہے اور یہ نسبت اب سارے ڈسپلن کی اساس ہے۔ چنانچہ اب ہمیں زیادہ تر انہی دو گوشوں کو قرآن حکیم کی روشنی میں

explore کرنا ہے۔

سورۃ الحدید سے لے کر سورۃ التحریم تک جو مدنی سورتیں ہیں ان میں سے متعدد سورتیں پوری کی پوری ہمارے اصل منتخب نصاب میں شامل ہیں۔ سورۃ الحدید اُس کا نقطۂ عروج اور کلائمکس ہے۔ اس پر وہ نصاب ختم ہوتا ہے' بلکہ پورا چھٹا حصہ اسی پر مشتمل ہے۔ اسی طرح اس منتخب نصاب کے چوتھے حصے میں سورۃ الصف' سورۃ الجمعہ اور سورۃ المنافقون شامل ہیں۔ اس سے بھی پیچھے جایئے تو اس کے تیسرے حصے میں سورۃ التحریم ہے۔ مزید پیچھے جایئے تو اس کے دوسرے حصے میں جہاں ایمان کے مباحث آتے ہیں' سورۃ التغابن موجود ہے۔ تو یوں سمجھئے کہ ان دس سورتوں میں سے چھ سورتیں تو پہلے ہی ہمارے منتخب نصاب میں شامل ہیں۔ اب یہاں آپ نوٹ کیجئے گا کہ یہ جو دو حصے میں آپ کے سامنے لا رہا ہوں ان میں سے اکثر و بیشتر انہی دس سورتوں میں سے منتخب مقامات ہیں۔ اقامت دین اور نظامِ عدل وقسط کے قیام کی جدوجہد ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ کا تعین سورۃ الحدید میں ہو جاتا ہے' اظہار دین الحق علی الدین کلہ کی جدوجہد سورۃ الصف کا مرکزی مضمون ہے۔ اس کے لئے جو اجتماعیت قائم ہوگی اس کے استحکام کے لئے ہدایات بھی آپ کو انہی سورتوں (مثلاً سورۃ المجادلۃ' سورہ الممتحنۃ) میں ملیں گی۔ لہٰذا یہ بات پھر ذہن نشین کر لیجئے کہ مکی اور مدنی سورتوں کا یہ گروپ' جس میں سات سورتیں مکی ہیں (سورۂ ق سے سورۃ الواقعہ) اور دس سورتیں مدنی ہیں (سورۃ الحدید سے سورۃ التحریم)' ان میں مکی اور مدنی کی نسبت بڑی عجیب ہے۔ سورۃ المدثر کی ابتدائی تین آیات میں ارشاد ہوا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ تو جہاں تک انذار کا تعلق ہے ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ۝﴾ وہ اس گروپ کی سات مکی سورتوں کا مرکزی مضمون ہے' جبکہ تکبیرِ ربّ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ اس گروپ کی دس مدنی سورتوں کا main theme ہے۔ چنانچہ ان سورتوں میں ہمیں ان تمام سوالات کے جوابات ملتے ہیں کہ تکبیر ربّ کے تقاضے کیا ہیں؟ اس کے لئے دو اصطلاحات کیا ہیں؟ پھر یہ کہ اس کے لئے بنیادی منہاج کیا ہے؟ اس کے لئے جو

جماعت قائم کرنی ہے اس جماعت کی تربیت کس طور سے ہوگی؟ اس کے لئے جو دعوت دینی ہے اس دعوت کے لئے منبع و سرچشمہ اور مرکز و محور کیا ہوگا؟ اس جدوجہد سے پہلوتہی کرنے کا مطلب کیا ہے؟ اس جدوجہد کے لئے جو اجتماعیت قائم ہوگی اس کی اساسات کیا ہیں؟ اور اس کے استحکام کے لئے کون کون سی چیزیں ہیں کہ جن کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے؟ یہ ایک اہم حقیقت ہے جس کو اگر آپ ذہن نشین کر لیں گے تو امید ہے کہ ان سورتوں کے مابین ربط و تعلق اور منطقی ترتیب کے حوالے سے اللہ تعالیٰ آپ کو ایک باطنی بصیرت عطا فرمائے گا۔

اب ہم سورۃ المائدۃ کی آیات ۵۵ اور ۵۶ پر غور کرتے ہیں:

﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رٰکِعُوْنَ ۝ وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝﴾

''تمہارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اس کے رسول اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنا لے تو (وہ جان لے کہ) اللہ کی جماعت ہی غالب ہونے والی ہے''۔

گویا اقامت دین کی جدوجہد کے لئے قائم ہونے والی تنظیم میں شامل ہونے والے ساتھیوں میں جو باہمی رشتۂ محبت و اخوت مطلوب ہے اس کی اصل جڑ ایک نسبتِ ولایت یعنی ایک دوستی کا سلسلہ ہے۔ سلسلہ زنجیر کو کہتے ہیں اور زنجیر کڑیوں (links) سے مل کر بنتی ہے۔ تو اس زنجیر کی تین کڑیاں ہیں۔ اس کی اصل اساس اور اصل الاصول اللہ سے رشتۂ ولایت ہے۔ اللہ اہل ایمان کا ولی ہے اور اہل ایمان اللہ کے اولیاء۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾ (البقرۃ: ۲۵۷) اور ﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝﴾ (یونس: ۶۲'۶۳) اس لفظ ''ولایت'' کا مفہوم کیا ہے؟ اردو میں ہم محبت' حمایت' پشت پناہی' مددگاری جیسے بہت سے الفاظ

استعمال کرتے ہیں' ان سب کا خلاصہ عربی زبان میں نسبتِ ولایت ہے۔ ''اللہ ولی ہے اہل ایمان کا'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ اہل ایمان کا دوست ہے' کارساز ہے' پشت پناہ ہے' حامی ہے' ناصر ہے' مددگار ہے' محافظ ہے۔ یہ گویا کہ ایمان کالبّ لباب اور ایمان کا حاصل ہے کہ اللہ اور بندے کے مابین یہ رشتۂ ولایت قائم ہو جائے' لیکن یاد رہے کہ یہ رشتہ ''ولایت باہمی'' کا ہوگا۔

سورۃ المائدۃ کی آیت ۵۴ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس مضمون کی تمہید پڑ چکی ہے۔ اس آیت میں تین dimensions ذکر ہوئی تھیں: (۱) يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (۲) اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (۳) يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ۔ اب اس آیت میں پہلی دو نسبتوں کا خلاصہ نکالا جا رہا ہے کہ اس تنظیم میں شریک لوگوں میں جو رشتۂ اخوت و محبت مطلوب ہے اس کی اصل جڑ بھی وہی ہے کہ پہلا رشتۂ محبت اللہ کے ساتھ مضبوط ہو تو یہ زنجیر آگے چلے گی۔ اگر اساس ہی ابھی نہیں پڑی تو زنجیر آگے کیسے چلے گی؟ اصل شے تو یہ ہے۔ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں اس کے لئے الفاظ آئے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ یعنی وہ لوگ کہ جو حقیقتاً مؤمن ہیں وہ اللہ کے ساتھ محبت میں شدید ترین ہوتے ہیں۔ اللہ کی محبت اگر تمام محبتوں پر غالب نہیں تو ظاہر ہے کہ اب یہ سلسلہ آگے چل ہی نہیں سکتا۔ مطلوب تو یہ ہے کہ معیارِ محبت و نفرت اور دوستی و عداوت اللہ کی ذات پر آ کر ٹھہر جائے۔ جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ:

((مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ))

''جس نے محض اللہ کے لئے کسی سے دوستی کی' اللہ ہی کی خاطر کسی سے بغض رکھا' اللہ ہی کے لئے کسی کو کچھ دیا اور اللہ ہی کے لئے کسی سے کچھ روک رکھا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا''۔

اگر یہ بات نہیں ہوئی تو ظاہر بات ہے کہ آگے بھی دوستیوں کے معیار مختلف ہوں گے' دوستیاں منتشر ہوں گی' محبتیں مختلف سمتوں میں بکھر جائیں گی' کسی سے کسی اعتبار

(۱) سنن ابی داؤد' کتاب السنۃ' باب الدلیل علی زیادۃ الایمان و نقصانہ۔

سے محبت ہوگی' کسی سے کسی اور اعتبار سے محبت ہوگی۔ اس محبت کو منظم کرنے کے لئے' یکسو کرنے کے لئے اور اس قلبی تعلق کو ایک زنجیر کی شکل دینے کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ ﴿اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ﴾ یعنی پہلے تو تمہارا دل اس پر ٹھک جانا چاہئے کہ تمہارا دوست' تمہارا ساتھی' تمہارا ہمدرد' تمہارا خیر خواہ' تمہارا بہی خواہ' تمہارا پشت پناہ' تمہارا حامی' تمہارا مددگار اللہ ہے۔ اور دوسرے نمبر پر ﴿وَرَسُوْلُہٗ﴾ ''اور اس کا رسول''۔ اب یہاں سے دوسرا لنک قائم ہو رہا ہے۔ تو جس طرح اطاعت میں اللہ کے ساتھ رسول bracketted ہو جاتے ہیں اور اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت ایک وحدت ہے اسی طرح کا معاملہ اللہ کی محبت اور رسول کی محبت کا ہے۔ رسول کی محبت اصل میں اللہ کی محبت کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔ اللہ سے جوڑنے والے کون؟ رسول! اللہ سے متعارف کرانے والے کون؟ رسول! اللہ کی راہ میں چلنے کے لئے اُسوۂ کاملہ فراہم کرنے والے کون؟ اللہ کے رسول! ہمیں اگر نماز کی توفیق ہو رہی ہے تو ہر شخص کی اس نماز کے اندر کس کی محنتیں اور مشقتیں شامل ہیں؟ اللہ کے رسول کی! ان کی توانائیاں' ان کی قوتیں' ان کی صلاحیتیں ہیں کہ جن کا یہ ظہور ہو رہا ہے' کہ ان کے طفیل ہم نمازیں پڑھ رہے ہیں' روزے رکھ رہے ہیں۔ یہ سارا دین آپ ﷺ ہی کے ذریعے تو ہم تک پہنچا ہے۔ اس اعتبار سے اللہ کی محبت کے ساتھ رسول ﷺ کی محبت بھی ناگزیر ہے۔ اور جب تک باقی تمام چیزوں اور شخصیتوں کی محبت پر رسول ﷺ کی محبت غالب نہیں ہوگی' ایمان کا تقاضا پورا نہیں ہوگا۔ از روئے حدیث نبویؐ:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))(۱)

''تم میں سے کوئی اُس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والد' اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں''۔

اب اگر یہ لنک قائم ہو گیا ہے تو اس کا ایک منطقی نتیجہ ہے ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اور اہل ایمان بھی (تمہارے رفیق ہیں)''۔ اب تیسرے درجے میں یہ محبت غالب ترین ہونی چاہئے۔ جیومیٹری میں اگر آپ ایک نقطے سے کوئی خط کھینچیں تو کسی بھی سمت میں

(۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب حب الرسول من الایمان۔

کھینچ سکتے ہیں' لیکن اگر دو نقطے معین ہو جائیں تو اب ظاہر بات ہے کہ ان کو ملاتا ہوا سیدھا خط صرف ایک ہی سمت میں کھینچا جا سکتا ہے' اس کی کوئی اور سمت ممکن ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ رشتۂ ولایت ومحبت اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ قائم ہو جائے تو پھر محبت کے کہیں بھٹکنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ اب یہ تیر کی طرح اس رخ پر سیدھی جائے گی ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ اب یہ محبت ہوگی ان کے لئے جو ایمان لائے' چاہے ان سے کوئی خونی رشتہ نہ ہو' چاہے ان سے قبیلے کا' لسان کا' نسل کا' وطن کا کوئی رشتہ نہ ہو۔ رشتۂ ایمان موجود ہے تو محبت ہے' اور اگر یہ رشتۂ ایمان موجود نہیں ہے تو چاہے حقیقی بھائی ہو' چاہے باپ اور بیٹے کی نسبت ہو' چاہے بیوی اور شوہر کا تعلق ہو' سب پس منظر میں جا کر دھندلا جائے گا۔ قانونی معاملات کی نوعیت کچھ اور ہے' وہ میں بعد میں عرض کر دوں گا' یہاں اصل میں دل لگاؤ' تعلق خاطر اور محبت قلبی کی بات ہو رہی ہے: ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''تمہارا دوست تو بس اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور جو ایمان والے ہیں''۔

اب آگے ''الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' کی وضاحت کر دی گئی کہ کون اہل ایمان! اہل ایمان میں تو منافق بھی تھے۔ کیا ان سے محبت ہوگی؟ ظاہر بات ہے کہ قانونی طور پر تو وہ مسلمان تھے اور ان کے اس لیگل سٹیٹس کا یہ تقاضا تھا کہ عبداللہ ابن اُبی بھی مرا تو اس کی نماز جنازہ پڑھا دی گئی' اس لئے کہ بحیثیت مسلم یہ بات اس کے حقوق میں شامل تھی۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ.....))(۱) ''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں.....'' یہ حقوق اس وقت تک ساقط نہیں ہوں گے جب تک کہ اسے مسلمان مانا جائے۔ یعنی جب تک وہ قانونی ایمان کے

---

(۱) یہ حدیث صحیح مسلم کی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ)) قِيْلَ : مَا هُنَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ : ((اِذَا لَقِيْتَهٗ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ ' وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ ' وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهٗ ' وَاِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ ' وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ ' وَاِذَا مَاتَ فَاتْبَعْهُ)) (ترجمہ اگلے صفحہ پر)

درجے میں ہے اس کے یہ حقوق برقرار رہیں گے۔ اسی طرح اس سے آگے بڑھ کر کوئی شخص صرف مسلمان ہی نہیں' آپ کا بھائی بھی ہے' یا آپ کے والد ہیں' یا آپ کے عزیز ہیں' تو ان کے جو بھی قانونی حقوق ہیں وہ برقرار رہیں گے' وہ آپ کو دینے ہوں گے۔ البتہ یہ کہ اگر وہ مرضِ نفاق کا شکار ہیں تو ان کے ساتھ رشتۂ محبت قلبی برقرار نہیں رہے گا۔ اگر وہ برقرار رہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی وہ پہلے دو نقطے (اللہ کی محبت اور رسول کی محبت) ہی صحیح طور پر وجود میں نہیں آئے۔ وہ اگر مستحکم ہو گئے ہوں تو ممکن نہیں ہے کہ یہ محبتِ قلبی کوئی اور سمت اختیار کرے۔

وہ اہل ایمان کون ہیں؟ فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۞﴾ ''جو نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جھکے ہوئے ہوتے ہیں''۔ اس آیت میں اہل ایمان کی تین صفات بیان ہوئی ہیں۔ جہاں تک اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا تعلق ہے یہ مضمون ہمارے منتخب نصاب کے حصہ سوم میں سورۃ المؤمنون کی ابتدائی آیات اور سورۃ المعارج کی درمیانی آیات کے ذیل میں تفصیل سے زیر بحث آ چکا ہے۔ اب اس مقام پر اصل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ کس سے متعلق ہے؟ بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ ان اہل ایمان کی جو پوری ایک باطنی کیفیت ہے' یعنی فروتنی' عجز' جھکے ہوئے رہنا' اس کے اظہار کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں عباد الرحمٰن کی خصوصیات کے ضمن میں الفاظ آئے ہیں: ﴿الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا﴾ ''جو زمین پر دبے پاؤں چلتے ہیں''۔ ان کی نشست و برخاست سے' ان کی چال ڈھال سے یہ اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ اپنے آپ کو بندہ سمجھتے ہیں' آقا نہیں سمجھتے۔ ان کے اندر فروتنی ہو' تواضع

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ سے) ''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں''۔ دریافت کیا گیا: یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: ''(۱) جب تم اس سے ملو تو اسے سلام کرو (۲) جب وہ تمہیں (کھانے وغیرہ کی) دعوت دے تو اسے قبول کرو (۳) جب وہ تم سے خیر خواہی چاہے تو اس کی خیر خواہی کرو (۴) جب اسے چھینک آئے اور وہ الحمدللہ کہے تو تم یرحمک اللہ کہو (۵) جب وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کرو (۶) اور جب وہ فوت ہو جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ (اور اس کی نماز جنازہ پڑھو)''

ہو۔ ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ کا ایک اور مفہوم بھی ہوسکتا ہے جس کی طرف ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ یا ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ میں اشارہ کیا گیا ہے' کہ اہل ایمان کے سامنے جھکے رہنے والے' ان کے لئے متواضع' ان کے لئے اپنے کندھوں کو اس طرح جھکا دینے والے جیسے کہ مرغی اپنے بچوں پر اپنے پروں کو جھکاتی اور پھیلاتی ہے' یا جس کا نقشہ ہمارے اس منتخب نصاب میں سورۂ بنی اسرائیل کے تیسرے رکوع میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے: ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ جیسے کہ ایک شخص کو اپنے والدین کے سامنے اپنے شانوں کو جھکا کر رہنا چاہئے۔

اس ضمن میں میری ایک ذاتی رائے ہے' جو میرے علم کی حد تک تا حال کسی اور نے ظاہر نہیں کی۔ ہوسکتا ہے کہ ظاہر کی ہو لیکن میرے علم میں نہ ہو۔ قرآن حکیم پر غور و فکر کرتے ہوئے بارہا ایسا ہوا ہے کہ کسی ایک بات کی طرف میرا ذہن منتقل ہوا اور میں سمجھتا رہا کہ شاید کسی اور نے یہ بات نہیں کہی ہے اور اس کی وجہ سے اس رائے پر میرا دل پوری طرح سے ٹھک نہیں سکا کہ یہ بات شاید کسی اور نے نہیں کہی ہے' ہوسکتا ہے کہ غلط ہو' لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ رائے سلف میں موجود ہے تو اس پر اطمینان ہوا۔ مثال کے طور پر صوم کے بارے میں مَیں نے بہت پہلے ایک رائے ظاہر کی تھی' بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہی مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کی رائے ہے اور یہ رائے سلف میں موجود ہے۔ سورۃ الحج کی آیات ﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا.....﴾ کے بارے میں میرا ایک وجدانی خیال تھا کہ یہ اثنائے سفر ہجرت میں نازل ہوئی ہیں۔ بعد میں مجھے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول مل گیا کہ ان کی رائے بھی یہی ہے۔ تو میں یہی بات عرض کر رہا ہوں کہ ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ کے بارے میں میری جو رائے ہے میرے علم کی حد تک یہ بات کسی اور نے نہیں کہی ہے' لیکن اللہ کرے کہ سلف میں کسی اور نے کہی ہو' اور مجھے اس پر اور زیادہ اعتماد ہو جائے۔ وہ رائے یہ ہے کہ ﴿وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾ کا تعلق اصل میں ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ کے ساتھ ہے۔ کوئی شخص کسی کو کچھ دے رہا ہوتا ہے تو اس میں ایک فطری بات ہے کہ دینے والا اپنے آپ کو اس لینے والے سے بالاتر سمجھ

بیٹھتا ہے۔ بلکہ اس فطری بات کا اظہار ایک حدیث میں بھی ہوا کہ ((اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی)) حضور ﷺ نے فرمایا: ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے''۔ یہاں اصل میں حضور ﷺ نے انفاق کی ترغیب دلانے کے لئے فرمایا ہے کہ ''دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے''۔ اور اس میں ایک طرح کی تعلیم بھی ہے کہ لینے سے حتی الامکان بچنا چاہئے' انسان اپنی عزتِ نفس کی حفاظت کرے اور کوشش کرے کہ محنت سے کمائے اور اپنی ضروریات خود پوری کرے۔ تو جب دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے تو اب اس کا ایک عکس دینے والے پر پڑ سکتا ہے اور وہ یہ خیال کر سکتا ہے کہ میں برتر ہوں اور یہ کم تر ہے۔ چنانچہ ایتائے زکوٰۃ کا معاملہ اس انداز سے ہو کہ آدمی عاجزی سے' جھک کر دے رہا ہو' بجائے اس کے کہ اکڑ کر دے رہا ہو۔

یہ معاملہ اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اس تحریک میں' اس جماعت میں' اس جدوجہد میں جو ہمارے ساتھ شریک ہیں' ان میں سے وہ لوگ جو حاجت مند ہوں' اور خاص طور پر وہ لوگ جو اس لئے حاجت مند ہو گئے کہ انہوں نے اپنی توانائیاں اللہ کے دین کے لئے وقف کر دی ہیں' اب ظاہر بات ہے کہ ان کی کوئی خدمت' ان سے کوئی تعاون' ان کی کوئی مدد اگر کی جائے گی تو جھک کر ہی کی جائے گی۔ وہ فقیر تو نہیں ہیں' مانگنے والے تو نہیں ہیں' وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں' وہ اپنی ساری ضروریات خود پوری کر سکتے ہیں' لیکن وہ اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں۔ اس کے لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۷۳ اچھی طرح سمجھ لیں۔ سورۃ البقرۃ کے رکوع ۳۶ اور ۳۷ انفاق فی سبیل اللہ ہی کے موضوع پر ہیں۔ رکوع ۳۷ میں یہ آیت آئی ہے کہ اس انفاق فی سبیل اللہ کا سب سے اعلیٰ مصرف کیا ہے اور اس کے اوّلین مستحق کون ہیں؟ یہ بات میں بعض دروس میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں کہ اسلام میں سوال کی مذمت ہے اور اسلام گداگری کو ایک ادارہ (institution) کی حیثیت سے ختم کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں خیرات بانٹنے کا جو طریقہ رائج ہو گیا ہے' یہ درحقیقت اس

institution کو تقویت دینے اور اس کو مستحکم کرنے کا موجب ہے۔ لہٰذا جان لینا چاہئے کہ اس قسم کی گداگری اور خیرات بانٹنے کی یہ کیفیت ہرگز اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۷۳ میں بیان کیا گیا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا سب سے بڑھ کر مستحق کون ہے اور اس انفاق فی سبیل اللہ کا اصل ہدف کیا ہوگا۔

فرمایا: ﴿لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اُن احتیاج والوں کے لئے جو گھر گئے ہوں اللہ کے راستے میں''۔ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جو لوگ اس جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں وہ انفاق کے اوّلین مستحق ہیں۔ اس کے ذیل میں وہ لوگ بھی آئیں گے جو صرف دین کا علم حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ وہ جو تین تین سو اصحابِ صفہ حضور ﷺ کی صحبت میں رہتے تھے' ظاہر بات ہے کہ وہ بھی محنت کر سکتے تھے' معاشی جدوجہد کر سکتے تھے' لیکن انہوں نے اپنے آپ کو روک لیا تھا' تھام لیا تھا' وابستہ کر لیا تھا محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور انہی کے ذریعے سے مشکوٰۃِ نبوت کی روشنی پورے عالم میں پھیلی۔ انہی میں سے ایک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ جو حدیث نبویؐ کے پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ بن گئے۔ اگرچہ وہ ۷ھ میں ایمان لانے والوں میں سے ہیں' لیکن ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد صحابہ کرامؓ میں سب سے بڑھ کر ہے' اس لئے کہ وہ تو اپنے آپ کو باندھ کر بیٹھ گئے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے ذریعے سے علم حدیث پھیلا۔

فی سبیل اللہ کے ضمن میں ہمارے سامنے جہاد فی سبیل اللہ کا پورا جامع نقشہ ہونا چاہئے۔ اس کے مختلف گوشے' مختلف شعبے اور اس کے لئے ہمہ وقت' ہمہ تن لوگوں کی ضرورت پیش نظر رہنی چاہئے۔

﴿لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ﴾ ''وہ زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے''۔ وہ اس سبیل اللہ کی جدوجہد میں اس طرح محصور ہو کر رہ گئے ہیں کہ اپنے ذاتی کسب معاش کے لئے زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ یہاں زمین میں چلنا پھرنا سے مراد اپنی معاشی جدوجہد کے لئے چلنا پھرنا ہے' بھاگ دوڑ ہے۔ یہ اپنی معاشی ضروریات

پوری کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے۔ تو اس کے لئے ضرباً فی الارض کا محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ یعنی وہ اپنی معاش کے لئے بھاگ دوڑ نہیں کر سکتے۔

﴿یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ ''ناواقف انہیں غنی سمجھتا ہے ان کی خود داری کی وجہ سے''۔ وہ اپنی عفت اور عزت کی حفاظت کرتے ہیں' وہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کر کے اپنی عزتِ نفس ہتھیلی پر رکھ کر اُس کے سامنے پیش نہیں کرتے' بلکہ وہ خودداری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ چونکہ وہ سائل نہیں ہیں' مانگتے نہیں ہیں' لہٰذا ناواقف شخص یہ سمجھے گا کہ یہ غنی ہیں' ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے' ان کی کوئی احتیاج نہیں ہے۔

﴿تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمَاهُمْ﴾ ''ہاں ان کو تم پہچان سکتے ہو اُن کے چہروں سے''۔ تم ان کی اندرونی حالت کا اندازہ ان کے چہروں سے کر سکتے ہو۔ ظاہر بات ہے کہ اگر کسی کو فاقہ آیا ہوا ہے تو اس کے چہرے پر نمایاں ہوگا۔ اگر کوئی کسی معاشی پریشانی اور الجھن میں ہے تو وہ اس کے تمام اطوار سے ظاہر ہوگی' لہٰذا انہیں ڈھونڈو' انہیں تلاش کرو! وہی دراصل اس انفاق کے صحیح ہدف ہیں۔

﴿لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ ''وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے''۔ لپٹ کر سوال کرنا گداگری کا انداز ہے جو اصل میں ایک پیشہ ہے' ایک مزدوری ہے۔ گداگر تو اپنی اس محنت کی اجرت آپ سے لیتے ہیں کہ جو انہوں نے آپ کا گھیراؤ کر کے اور آپ سے لپٹ کر آپ سے کچھ نکلوانے کے لئے کی ہے۔

﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝﴾ ''اور جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ کو معلوم ہے''۔ اب دیکھئے' ایسے لوگوں کو جو کچھ آپ دیں گے تو اس وقت ایک تو وہ کیفیت ہونی چاہئے جو ابھی ہم نے پڑھی کہ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ۔ ان کو کسی احساسِ برتری کے تحت نہیں دیا جائے گا' بلکہ اس احساس کے تحت دیا جائے گا کہ برتر وہ ہیں' ہم تو دنیا کے دھندوں میں لگے ہوئے ہیں' ہم اس کام میں ہمہ وقت ہمہ تن نہیں آ سکے' یہ وہ ہیں کہ جنہوں نے ہمت کی ہے اور یہ چھلانگ لگائی ہے' تو برتر وہ ہیں نہ کہ ہم۔ اور اگر وہ

قبول کرلیں تو ان کا احسان ہے' نہ کہ ہمارا احسان ان پر کہ ہم انہیں کچھ دے رہے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ یہ انفاق خالصتاً اخفاء کے ساتھ ہوگا۔ چنانچہ یہاں اس کا اشارہ کر دیا گیا: ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۞﴾ یعنی جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے' جو خیر' جو بھلائی' جو مال تم اللہ کی راہ میں ان خود دار ضرورت مندوں کو دو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہیں ہے' اللہ اس کو جانتا ہے۔ تمہیں اس کے لئے کہیں اور اعلان کرنے کی اور اس کا کہیں چرچا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

سورۃ المائدۃ کی اگلی آیت میں فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۞﴾ ''اور جو کوئی دوست رکھے اللہ کو اور اس کے رسول کو اور ایمان والوں کو تو (اسے معلوم ہو کہ یہ ہے اللہ کی جماعت اور) اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے''۔ اب یہ مضمون گویا کہ تاکیدی شکل میں آ رہا ہے' اصل بات تو پوری ہو چکی ہے۔ فرمایا کہ جس کسی کا محبت کا یہ تعلق اور رشتۂ ولایت اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے اور اہل ایمان سے قائم ہو جائے ـــــ اب یہاں عبارت میں ایک حذف ہے کہ ''اب یہ لوگ بنیں گے حزب اللہ''۔ ان سے درحقیقت اللہ کی پارٹی وجود میں آئے گی۔ یہ اس اجتماعیت کی وہ روح ہے جو اگر اس میں جاری و ساری ہے تو یہ لوگ حزب اللہ کہلانے کے اہل ہوں گے۔ اگر حذف کھول دیا جائے تو ترکیب یوں ہوگی: ''اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۞'' (تو یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کی پارٹی بنیں گے اور جان لو کہ اللہ کی پارٹی بہرحال غالب آ کر رہے گی۔) غلبہ پھر انہی کے لئے ہو گا۔ لیکن اس کے لئے پیشگی اہلیت (prequalification) سے آگاہ کر دیا گیا کہ کون لوگ حزب اللہ یا اللہ کی جماعت بننے کے اہل ہیں۔

اصل مضمون تو سورۃ المائدۃ کی آیات ۵۵'۵۶ میں پورا ہو گیا' اب اس کی شرح سورۃ المجادلۃ کی آیات ۱۴ تا ۲۲ میں ملاحظہ کر لیجئے۔ زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ان آیات میں ''تُعْرَفُ الْاَشْيَاءُ بِاَضْدَادِهَا'' کے اصول کے تحت حزب اللہ

کے مقابلے میں حزب الشیطان کا concept بھی لایا جا رہا ہے' کہ ظاہر بات ہے کہ یہاں صرف حزب اللہ ہی نہیں ہے' حزب الشیطان بھی ہے' اور ان کے مابین ہمیشہ سے معرکہ آرائی جاری ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

یہ کشمکش دو پارٹیوں کے مابین ہے' ایک حزب اللہ ہے تو مقابلے میں حزب الشیطان بھی ہے۔ اب اس حزب الشیطان کا ایک حصہ تو وہ ہے جو بالکل ظاہر و باہر ہے' سامنے ہے' مدمقابل ہے' سامنے سے وار کر رہا ہے۔ لیکن ایک عنصر خود مسلمانوں میں بھی ہوتا ہے جو حزب الشیطان کا ایجنٹ بنتا ہے۔ یہ مار آستین ہے۔ یہ وہ عنصر ہے جس نے اس مدمقابل حزب الشیطان کے ساتھ (جو قانونی سطح پر بھی کھلم کھلا کافر ہیں) کوئی رشتۂ اخوت ابھی جوڑ رکھا ہے اور کوئی محبت کا تسمہ ابھی لگایا ہوا ہے' حالانکہ ان کے ساتھ محبت کے کوئی تسمے اگر ابھی لگے ہوئے ہیں' کوئی رشتۂ اخوت باقی رہا ہے تو یہی اس حزب اللہ کے لئے بالقوۃ کمزوری کا مقام (Potential Source of Weakness) ہے۔ یہ گویا کہ اس فصیل کا رخنہ ہے جس میں غنیم کسی بھی وقت داخل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان آیات میں پہلے تو ان منافقین کا کردار بیان ہوا ہے۔ منافقین کے بارے میں ہمارے ہاں ایک غلط فہمی عام ہے کہ یہ کردار صرف رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھا اور اس کا آج کے دور سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ مطالعہ قرآن حکیم کے دوران جب کسی مقام پر منافقین کا تذکرہ آتا ہے تو بالعموم دل پر ایک حجاب سا آ جاتا ہے کہ یہ تو منافقوں کی بات ہوئی' لیکن جان لیجئے کہ منافق جو تھے ان کے ماتھے پر لکھا ہوا نہیں ہوتا تھا کہ یہ منافق ہیں' قانوناً وہ مسلمان تھے۔ لہٰذا یہ نہ سمجھئے کہ یہ کیفیت ہمارے اندر نہیں ہو سکتی۔ حقیقت نفاق پر اپنے مفصل دروس کے دوران میں سب سے زیادہ اسی نکتے کو emphasise کرتا ہوں۔ تو اسے پھر ذہن میں تازہ کر لیجئے کہ انہیں کوئی علیحدہ کیٹگری نہ سمجھئے' بلکہ یہ مسلمانوں ہی میں گڈمڈ ہوتے ہیں' انہی کی صفوں میں موجود رہتے

ہوئے یہ غنیم کے ایجنٹ بن جاتے ہیں' اس لئے کہ کوئی سابقہ دوستی تھی' کوئی سابقہ رشتہ داری تھی' کوئی آپس کا کبھی کوئی معاملہ رہا تھا' آپس میں حلیف تھے' ایک دوسرے کے حمایتی تھے' لہٰذا کوئی نہ کوئی رشتۂ محبت واخوت باقی رہا اور شعوری طور ان بندھنوں کو نہیں کاٹا۔ نتیجتاً اس حزب اللہ کے لئے بالقوۃ ایک خطرہ وجود میں آ گیا کہ کہیں اندر ہی اندر اس راستے سے غنیم در نہ آئے۔

اب ہم ان آیات کا مطالعہ کرتے ہیں: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا﴾ ''کیا تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو یہ رشتۂ ولایت واخوت ومحبت قائم کئے ہوئے ہیں ایک ایسی قوم سے'' ﴿غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ ''جو اللہ کی مغضوب ہے''۔ جن پر اللہ کا غضب بالکل ظاہر و باہر ہے' جو اِس لائن کے اُس پار کھڑے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی صفوں میں رہتے ہوئے بھی ان کے تعلقات کفار کے ساتھ ہیں' اعداء اللہ کے ساتھ ہیں' حزب اللہ کے کھلم کھلا مخالفین اور معاندین کے ساتھ ہیں۔ ﴿مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ﴾ ''یہ لوگ نہ تم میں سے ہیں نہ اُن میں سے''۔ یہ وہ منافقین ہیں کہ شامل تمہاری صفوں میں ہیں اور رشتۂ محبت اُن سے ہے' تو یہ نہ تمہارے ہیں نہ اُن کے ہیں۔ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا گیا: ﴿مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ﴾ کہ وہ بیچ میں کچھ لٹک کر رہ گئے ہیں' مذبذب ہو کر رہ گئے ہیں' نہ یہ اِن کی طرف ہیں نہ اُن کی طرف ہیں۔ ﴿وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ ''اور وہ قسمیں کھاتے ہیں جھوٹ پر جانتے بوجھتے''۔ جہاں تک مرضِ نفاق کا تعلق ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ غیر شعوری نفاق ہو' لیکن جب آدمی جھوٹی قسم کھا رہا ہوتا ہے تو وہ غیر شعوری نہیں ہوتی' وہ تو اس کو معلوم ہے کہ میں جھوٹ پر قسم کھا رہا ہوں۔

﴿اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے شدید عذاب تیار کیا ہوا ہے۔ بے شک بہت ہی برا طرزِ عمل ہے جو انہوں نے اختیار کیا ہے''۔

آگے تقریباً وہی الفاظ آ رہے ہیں جو سورۃ المنافقون میں موجود ہیں۔ فرمایا:

﴿اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً﴾ ''انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنالیا ہے''۔ ﴿فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''تو یہ خود بھی رکتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں اللہ کی راہ سے''۔ صَدَّ، یَصُدُّ فعل لازم بھی ہے اور فعل متعدی بھی۔ اس کا معنی خود رکنا بھی ہے اور دوسروں کو روکنا بھی۔ ﴿فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞﴾ ''ان کے لئے بہت ہی رسوا کن عذاب ہے''۔

﴿لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ﴾ ''ہرگز بچا نہ سکیں گے ان کو نہ ان کے مال نہ ان کی اولادیں اللہ کے عذاب سے کچھ بھی'' ﴿اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞﴾ ''یہ دوزخ والے ہیں اور اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے''۔

﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا﴾ ''جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا'' ﴿فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ﴾ ''تو یہ اس کے سامنے بھی ویسی ہی (جھوٹی) قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے سامنے کھاتے ہیں''۔ ظاہر بات ہے کہ دنیا میں جھوٹی قسمیں کھانے کی جو عادت پختہ ہو چکی اور جو اُن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہے، وہاں پر بھی اس کا ظہور ہوگا۔ ﴿وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ﴾ ''اور وہ سمجھیں گے کہ ان کا بھی کوئی موقف ہے''۔ وہ بھی کہیں پر کھڑے ہیں، ان کے پاؤں تلے بھی کوئی زمین ہے۔ ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۞﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ حقیقت میں وہی جھوٹے ہیں''۔

﴿اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ﴾ ''شیطان نے درحقیقت ان کو گھیر لیا ہے''۔ وہ ان پر قابو پا چکا ہے، ان پر مسلط ہو گیا ہے، ان پر چھا گیا ہے۔ ﴿فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ﴾ ''اور ان کو غافل کر دیا ہے اللہ کی یاد سے''۔ ﴿اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ﴾ ''یہ ہیں شیطان کی پارٹی کے لوگ''۔ ﴿اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ بالآخر شیطان کی پارٹی ہی کو خسارے میں رہنا ہے''۔ بربادی اسی کی ہے، تباہی اسی کی ہے، ہلاکت اسی کی ہے ——— اب یہ حزب الشیطان یعنی شیطان کی پارٹی کے لوگ کون ہیں؟ ایک حزب الشیطان تو وہ ہے جو کھلم کھلا سامنے آ رہا ہے، مقابلہ کر رہا ہے،

سامنے سے چیلنج کر رہا ہے۔ وہ ابوجہل' ولید بن مغیرہ اور ابولہب ہے جیسے کفار و مشرکین ہیں۔ جبکہ ایک گروہ وہ ہے جو بظاہر مسلمانوں کی صفوں میں شامل ہے اور اندر سے مارِ آستین بن کر کفار کے ساتھ رشتۂ اخوت استوار کئے ہوئے ہے اور ابھی تک اس نے یک سو ہو کر ان سے دلی تعلق اور دلی محبت کے رشتوں کو کاٹا نہیں ہے۔ تو واضح کر دیا گیا کہ یہ بھی درحقیقت حزب الشیطان کا جزو ہیں اگرچہ بظاہر تمہاری صفوں میں داخل ہیں۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ﴾ ''یقیناً وہ لوگ کہ جو دشمنی رکھتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے' وہی ہیں کہ جو نہایت ذلیل ہو کر رہیں گے''۔ یہ سب سے زیادہ پست ہو کر رہیں گے' یہی ہیں جو سب سے زیادہ خائب و خاسر ہو کر رہیں گے۔

﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ﴾ ''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب ہو کر رہیں گے''۔ اللہ نے تو یہ طے کیا ہوا ہے' یہ اس کا فیصلہ ہے۔ البتہ فیصلے کا ظہور کب ہوگا' یہ بات دوسری ہے۔ اس میں ابھی کتنی دیر لگے گی اور اس دوران اہل ایمان کتنی آزمائشوں سے دوچار ہو جائیں گے' یہ مسئلہ علیحدہ ہے۔ بالآخر اللہ اور اس کا رسولؐ غالب آ کر رہیں گے۔ یہ رسولوں کے باب میں اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی مستقل سنت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں سے یہ پختہ وعدہ ہے اور ان کے ضمن میں اللہ کا یہ پختہ فیصلہ ہے کہ رسول کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔ ہاں جو نبی ہو وہ مغلوب ہو سکتا ہے' رسول کے مغلوب ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ یہ قرآن کا ایک اہم نکتہ ہے' مگر اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا ہے' زبردست ہے''۔ جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''تم ہرگز نہیں پاؤ گے ان لوگوں کو جو حقیقتاً ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور یوم آخر پر'' ﴿یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''کہ وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے''۔ یُوَآدُّوْنَ ''ودّ'' مادہ سے باب مفاعلہ ہے' یعنی باہم محبت کرنا۔

اسی سے ہم رشتۂ مودّت کہتے ہیں۔ محبت' مودّت' رأفت اور رفاقت یہ الفاظ ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں۔ بلکہ سورۃ الحدید کے درس میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رأفت اور رحمت ایک قبیل کی شے ہیں اور مودت و محبت ایک قبیل کی شے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان مناسبت ہے۔ فرمایا کہ تم نہ پاؤ گے کہ وہ لوگ جو واقعتاً اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں کہ ان کا قلبی رشتۂ محبت ان لوگوں سے ہو جو اللہ سے اور اس کے رسولؐ سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اس کی شرح سورۃ الممتحنہ کی ان دو آیات میں سامنے آئے گی جن کا ہم آخر میں مطالعہ کریں گے۔ جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول سے عناد رکھتے ہیں' دشمنی رکھتے ہیں' بغض رکھتے ہیں' عداوت رکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخر پر حقیقی ایمان رکھنے والے ایسے لوگوں سے رشتۂ محبت و مودت استوار نہیں کرتے۔ یہاں رسول پر ایمان کا ذکر نہیں کیا گیا' اس لئے کہ محبت یا نفرت کا جو ظاہری طور پر ہدف بن رہا ہے وہ تو رسول کی ذات ہے۔ لہٰذا یہاں اللہ پر ایمان اور یومِ آخر پر ایمان کو نمایاں کیا گیا۔ ﴿وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ﴾ خواہ وہ ان کے باپ ہوں' یا ان کے بیٹے ہوں' یا ان کے بھائی ہوں' یا ان کے عزیز اور رشتہ دار ہوں''۔ یہاں بھی بالکل وہی مضمون آ گیا جو سورۂ توبہ میں آیا' صرف مثبت اور منفی اسلوب کا فرق رہ گیا۔ وہاں ارشاد ہوا: ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ ..... الآية﴾ علائقِ دُنیوی کی جو فہرست وہاں بیان کی گئی وہی فہرست یہاں ہے' سوائے اس کے کہ ازواج کا ذکر یہاں نہیں کیا گیا' باقی چاروں لفظ وہی ہیں۔ باپ' بیٹے' بھائی' رشتہ دار۔ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے خواہ کتنے ہی قریبی عزیز ہوں اُن کے ساتھ محبت کا رشتہ اب باقی نہیں رہ سکتا' اگر ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ دل میں جاگزیں ہو چکا ہے۔ ﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو جما دیا ہے''۔ لفظی ترجمہ ہوگا: لکھ دیا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں کھبی ہوئی ہے' گویا یہ میرے دل پر نقش ہے۔ تو آیت کے اس ٹکڑے کا بہترین

ترجمہ یہ ہوگا: ''اللہ نے ان کے دلوں پر ایمان کو نقش کر دیا ہے''۔ ﴿وَاَیَّدَھُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ﴾ ''اور ان کی تائید کی ہے اپنی طرف سے ایک روح کے ساتھ''۔ روح کا لفظ کثیر المعانی ہے اور اس وقت اس پر مفصل گفتگو ممکن نہیں ہے۔ ویسے ہمارے دروس میں اس پر گفتگو ہوتی رہتی ہے کہ فرشتہ بھی روح' روحِ انسانی بھی روح' وحی بھی روح۔ پھر لفظ رِیح (ہوا) بھی اسی مادے سے ہے' اس لئے کہ ''الف' واؤ اور یا'' تو حروف علت ہیں' بدلتے رہتے ہیں۔ اسی مادے سے رَوح اور راحت ہے' یعنی انسان کو انشراح' مسرت اور انبساط کا ایک احساس ہو۔ تو یہ وہ فیضانِ روحانی ہے جو انہیں حاصل ہوتا ہے۔ دیکھنے والے انہیں دیکھتے ہیں کہ بظاہر مشکلات میں ہیں' مصائب میں ہیں' لوگوں کے نرغے میں آ گئے ہیں' لوگوں کی دشمنی اور عداوتوں کا مرکز بن گئے ہیں' لیکن خود ان کو ایک باطنی راحت میسر ہوتی ہے۔ امام ابن تیمیہؒ جب جیل میں تھے تو کہا کرتے تھے ''اِنَّ جَنَّتِیۡ مَعِیۡ'' یعنی میری جنت میرے ساتھ ہے۔ تم مجھ سے اسے چھین نہیں سکتے۔ انسان کے دل میں اگر امن ہے' سکون ہے' چین ہے' راحت ہے' اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے انبساط ہے تو اگر اس کے جسم پر کوڑے بھی پڑ رہے ہوں تو اس کا وہ باطنی سکون درہم برہم نہیں ہوگا۔ یہ ہے وہ فیضانِ روحانی۔ ﴿وَاَیَّدَھُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ﴾ اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کے ذریعے سے ان کی تثبیت قلبی فرماتا ہے۔ یہ مضمون ہمارے منتخب نصاب میں سورۃ حٰمٓ السجدۃ کے حوالے سے موجود ہے۔ ﴿وَیُدۡخِلُھُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِھَا الۡاَنۡھٰرُ﴾ ''اور داخل کرے گا انہیں ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی''۔ ﴿خٰلِدِیۡنَ فِیۡھَا اَبَدًا ؕ﴾ ''رہیں گے اس میں ہمیشہ ہمیش''۔ ﴿رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ ؕ﴾ ''اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے''۔ جس طرح ﴿یُحِبُّھُمۡ وَیُحِبُّوۡنَہٗ﴾ کا معاملہ ہے کہ رشتۂ موالات اور محبت دوطرفہ ہے۔ گویا ع دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی! اسی طرح باہمی رضا کا معاملہ بھی دوطرفہ ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ ''اللہ ان سے راضی ہو گیا''۔ وَرَضُوۡا عَنۡہُ ''اور وہ اس سے راضی ہو گئے''۔ یہ جو اللہ سے راضی ہونے کا

معاملہ ہے' یہ آخرت میں جا کر تو بتمام وکمال ہوگا ہی' اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی جو لوگ اس مقامِ رضا پر فائز ہو جاتے ہیں' اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اللہ سے راضی رہتے ہیں اور جس حال میں بھی وہ رکھے وہ راضی برضائے ربّ رہتے ہیں۔ ﴿اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ اللّٰہِ ؕ﴾ ''یہ ہے اللہ کی پارٹی''۔ یہ ہے اللہ کی جماعت۔ یہ ہیں وہ لوگ کہ جن کے بارے میں اقبال نے بہت پیارا شعر کہا ہے کہ ؎

اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

اس سے متصلاً قبل یہ شعر ہے ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

دنیا میں مادیت اور روحانیت کے درمیان معرکہ آرائی ہے' روح اور جسم کا معرکہ کارزار گرم ہے' خدا کے مقابلے میں کائنات اور حیاتِ اُخروی کے مقابلے میں حیاتِ دُنیوی توجہ کا مرکز بن کر رہ گئی ہے۔ تہذیب وتمدن اور ثقافت کے نام پر بے حیائی' شیطنت اور درندگی کا ننگا ناچ ہے جو دنیا میں ناچا جا رہا ہے۔ اس معرکۂ کارزار میں اللہ کی پارٹی کے لوگ وہ ہیں جن کی پیشگی اہلیت (prequalification) اوپر بیان کر دی گئی ہے۔ آخر میں فرمایا: ﴿اَلَآ اِنَّ حِزۡبَ اللّٰہِ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۲۲﴾﴾ ''آگاہ ہو جاؤ کہ بالآخر اللہ کی جماعت کے لوگ ہی فلاح سے ہم کنار ہوں گے''۔ یہی جماعت بالآخر کامیاب ہوگی۔ فلاح کا مفہوم ہمارے منتخب نصاب کے تیسرے حصے کے پہلے سبق میں تفصیل سے بیان ہو چکا: ﴿قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ..... ﴾ ''یقیناً فلاح پا گئے وہ اہل ایمان ..... الخ'' یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

آخر میں سورۃ الممتحنہ کی دو آیات کا ترجمہ کر لیجئے جو اس درس میں مزید شامل کی گئی ہیں' اس لئے کہ ان میں ایک فطری تدریج کی طرف اشارہ ہے جس کو کہ شریعت پیشِ نظر رکھتی ہے۔ قرآن کتابِ ہدایت ہے' کتاب فطرت ہے' لہٰذا اس میں فطری چیزوں

سے صرفِ نظر نہیں کیا جاتا۔ ہمیں یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہئے کہ سب کافر برابر نہیں' سب مسلمان برابر نہیں۔ مسلمانوں میں منافق بھی ہیں کہ جو کافروں کے ایجنٹ ہیں' ففتھ کالمسٹ ہیں' جو حزب الشیطان ہی کا ایک حصہ ہیں کہ جو اہل ایمان کی صفوں میں ہے۔ کفار میں بھی کچھ تو ایسے ہیں جو اللہ' اس کے رسول اور اہل ایمان سے انتہائی بغض اور دشمنی رکھتے ہیں' اس جدوجہد میں مزاحم ہو رہے ہیں' آڑے آ رہے ہیں' مخالفت کر رہے ہیں' جبکہ ایک وہ ہیں کہ جو کچھ نیوٹرل ہیں' وہ بھی نہ اِدھر ہیں نہ اُدھر ہیں۔ وہ اہل ایمان کے مدمقابل نہیں آئے' ان سے لڑ نہیں رہے' ان کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن رہے' بلکہ شاید وہ wait and see کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں کہ ذرا تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو' ابھی دیکھو کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ تو جو اس طرح تمہارے مدمقابل نہ ہو گئے ہوں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا کہ ان کے ساتھ کچھ نیکی' بھلائی اور عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے۔

اب ہم سورۃ الممتحنہ کی ان دو آیات کا ترجمہ کرتے ہیں: ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ﴾ ''اللہ تعالیٰ نہیں روکتا تمہیں ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے نہ تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی اور نہ تمہیں انہوں نے تمہارے گھروں سے نکالا''۔ ﴿اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ﴾ ''اس سے کہ تم ان کے ساتھ کوئی حسن سلوک اور انصاف کا معاملہ کرو''۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے''۔ ﴿اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ﴾ ''اللہ تعالیٰ تمہیں منع فرماتا ہے'' ﴿عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ﴾ ''ان لوگوں سے کہ جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے'' ﴿وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ﴾ ''اور انہوں نے گٹھ جوڑ کیا ہے تمہارے نکالنے پر'' ﴿اَنْ تَوَلَّوْهُمْ﴾ ''کہ تم ان سے دوستی کرو''۔ اب یہاں لفظ ولایت آیا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس بات سے روک دیا ہے کہ تم ان سے رشتۂ محبت اور رشتۂ ولایت استوار کرو۔ ﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ "اور جو لوگ ان سے رشتۂ ولایت استوار کریں گے (ان سے
دوستی کا تعلق رکھیں گے) تو بلا شک وشبہ وہی لوگ ظالم ہوں گے"۔ اور یہ ظالم کا لفظ
قرآن کی اصطلاح میں بڑا سخت ہے اور بالعموم مشرک کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔
ازروئے الفاظ قرآنی: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ "یقیناً شرک بہت بڑا ظلم
ہے"۔ چنانچہ جب اس کے لئے قرینہ موجود نہ ہو تو شرک ظلم کے معنی میں اور ظالم مشرک
کے معنی میں لیا جائے گا۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى وایاكم بالآيات والذكر الحكيم OO

KHALID TRADERS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

NTN

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.
G.P.O. Box # 1178 *Phones* : 7732952 - 7730595 *Fax* : 7734776 - 7735883
E-mail : ktnln@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : *SIND BEARING AGENCY*, 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918.

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

تنظیم اسلامی شمالی امریکہ
ماضی، حال اور مستقبل

از بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

گزشتہ شمارے میں محترم ڈاکٹر صاحب کے اس فکر انگیز مضمون کی صرف پس نوشت شائع ہوئی تھی اور اصل مضمون سہواً شائع ہونے سے رہ گیا تھا۔ اسی مضمون کا ایک حصہ ''ہمارا دینی و تحریکی فکر اور اس کے تقاضے اور امریکی معاشرہ میں دعوت و اقامت دین کے کام کی ممکنہ عملی صورت'' کے عنوان سے قبل ازیں فروری کے شمارے میں شامل اشاعت کیا گیا تھا۔ اب یہ مضمون مکمل صورت میں یکجا شائع کیا جا رہا ہے تاکہ پیش نظر مباحث مربوط صورت میں قارئین کے سامنے آ سکیں۔ (ادارہ)

تنظیم اسلامی شمالی امریکہ (T.I.N.A) کی حیثیت اس پودے کی یا درخت کی نہیں ہے جو کسی سرزمین سے اپنے ہی بیج کے پھوٹنے کے نتیجے میں پہلے دو پتیوں کی صورت میں ظہور کرتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ بڑھ کر مضبوط پودے یا توانا درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت ان ''اضافی جڑوں'' (Adventitious Roots) کی سی ہے جو کسی بڑے درخت (جیسے برگد) کی شاخوں سے انسانی ڈاڑھی کے مانند نیچے اترتی ہیں اور پھر زمین میں اپنے پنجے گاڑ کر رفتہ رفتہ خود ایک مضبوط اضافی تنے کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

واضح رہے کہ ۱۹۵۷ء میں جماعت اسلامی پاکستان سے علیحدگی اختیار کرنے اور پھر لگ بھگ آٹھ سال تک اِدھر اُدھر کی خاک چھاننے کے بعد میں نے اپنے آزادانہ مشن کا آغاز ۱۹۶۵ء میں لاہور میں درس قرآن کے حلقوں سے کیا۔ جن کے نتیجے میں

۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم ہوئی۔ اور پھر اسی کی کوکھ سے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی نے جنم لیا ـــــ جو ابتداء ہی سے ''عالمی'' تھی یعنی اس کے ساتھ کسی ملک یعنی پاکستان کا لاحقہ لگا ہوا نہیں تھا بلکہ یہ طے تھا کہ پوری دنیا میں کہیں بھی اور کوئی بھی مسلمان مرد یا خاتون اس میں شریک ہو سکتی ہے۔ (اگرچہ ۱۹۹۱ء میں جب میں نے تحریک خلافت کا آغاز کیا تو اس کے ساتھ پاکستان کا لفظ شامل تھا' یعنی تحریک خلافت پاکستان!)

تاہم چونکہ ابتداء ہی سے میرے ذہن میں یہ بات واضح تھی کہ انقلابی تحریک اپنا پورا زور کسی ایک ہی مقام پر لگایا کرتی ہے تاکہ وہاں مطلوبہ انقلاب برپا ہو جائے تو پھر اس کی ''تصدیر'' (Export) دوسرے ممالک کو ہوتی ہے (بمقابلہ مشنری و تبلیغی تحریکوں کے جو اپنا دعوتی اور تبلیغی base بڑھاتی چلی جاتی ہیں' قطع نظر اس سے کہ اس کے نتیجے میں کہیں زندگی کے اجتماعی نظام میں کوئی عملی تبدیلی آتی ہے یا نہیں!) لہٰذا میرا پاکستان سے باہر کسی دعوتی یا تبلیغی سفر کا کوئی ارادہ یا منصوبہ نہیں تھا!

لیکن ۱۹۷۹ء میں امریکہ سے ایک زوردار دعوت موصول ہوئی تو میں نے خالص سیر اور کرۂ ارضی کے دوسری جانب کی دنیا کو بالفعل اور بالمشافہ دیکھنے کے شوق میں اسے قبول کر لیا۔ ایک اضافی محرک یہ بھی تھا کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اُن دنوں وہیں مقیم تھے اور میرے دل میں خواہش تھی کہ وہاں ان سے ملاقات کی کوشش کروں۔ (اس لئے کہ پاکستان میں اس کے لئے ''حیات کا ماحول سازگار'' نہیں تھا!)۔ وہاں میں نے پہلے بالٹی مور' واشنگٹن ایریا' پھر کینیڈا میں ٹورنٹو اور مانٹریال اور بالآخر بالکل اتفاقی طور پر شکاگو میں پاک و ہند اور عرب ممالک سے ''نو وارڈ'' (یعنی وہ لوگ جو ساٹھ اور ستر کی دہائیوں میں امریکہ منتقل ہوئے تھے) اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خوشحال ہی نہیں مرفہ الحال لوگوں میں جو مذہبی سرگرمی دیکھی اور اس کے ضمن میں حرکت و برکت کے جو مناظر سامنے آئے ـــــ ان سے ایک جانب تو میں بہت متاثر ہوا' اس لئے کہ پاکستان میں اس قسم کی Elite کلاس میں اس نوع کی مذہبی سرگرمی قطعاً مفقود تھی' دوسری جانب ایک حسرت پیدا ہوئی کہ کاش یہ

لوگ پاکستان ہی میں رہتے اور وہاں اسلامی تحریک کے دست و بازو بنتے ـــــ چنانچہ مجھے وہی صدمہ محسوس ہوا جو اس شعر میں سامنے آتا ہے کہ ؎

مگر وہ علم کے موتی ' کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا!

اور اس کے نتیجے میں دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ ان سب کو نہیں تو کچھ نہ کچھ لوگوں کو تو پاکستان کے لئے reclaim کیا ہی جائے! ـــــ دوسری طرف وہاں کے لوگوں نے شدید اصرار کیا کہ آپ کو ہر سال لازماً امریکہ آنا چاہئے ـــــ تو کچھ ان کی قوتِ جاذبہ اور کچھ اس بات کی بنا پر جو ابھی بیان ہوئی میرا ''ذوق انجذاب'' منتج ہوا اس پر کہ ۱۹۷۹ء سے سالانہ امریکہ یاترا کا جو سلسلہ شروع ہوا تو وہ ۲۰۰۱ء تک تو سوائے ایک سال کے ہر سال لازماً جاری رہا۔ جبکہ بعض سالوں میں دو دو سفر ہوئے اور ایک سال تو ایسا بھی آیا جس میں امریکہ کے تین سفر ہو گئے!

اس آغاز کے بعد سے اب تک تیئیس (۲۳) برس سے زائد عرصہ گزر چکا ہے اور ظاہر ہے کہ جیسے جیسے وقت کے دریا میں پانی بہتا رہا امریکہ میں میری involvement بھی بہت سے مراحل سے گزری اور اس میں امید اور مایوسی' نشیب و فراز اور کامیابیوں اور ناکامیوں کے متعدد مراحل آئے' تاہم اسے مثبت ایزدی ہی کا نتیجہ سمجھا جائے گا کہ وہاں کئی Ups & Downs کے باوجود ایک حرکت جاری رہی!

ابتداء کے چند سالوں کو تو Honey Moon اور Romanticism کا دور کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہاں مجھے جو response ملی وہ میری توقع سے بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ انجمن خدام القرآن ("Society of the Servants of Quran-SSQ") تو ایک ہی سال میں قائم ہو گئی۔ تنظیم اسلامی کے قیام کے ضمن میں میں نے پہلے کوشش کی کہ چونکہ وہاں جماعت اسلامی سے ذہنی اور قلبی تعلق رکھنے والے لوگوں

کا ایک حلقہ (Islamic Circle of North America) یعنی ICNA کے نام سے قائم تھا' اور ظاہر ہے کہ میرے فکر کی شاخ بھی بہت حد تک جماعت اسلامی کے فکری درخت ہی سے پھوٹی تھی' اور یہاں پاکستان میں میرا اصل اختلاف جماعت کی سیاسی پالیسی سے تھا جس کا وہاں کوئی امکان ہی نہ تھا' لہٰذا میں نے وہاں ICNA کی قیادت کو offer کی کہ اگر پاکستان میں پالیسی سے اختلاف سے صرفِ نظر کرتے ہوئے آپ یہاں مجھے بھی اپنا بھائی اور رفیق سمجھیں تو میں علیحدہ تنظیم قائم نہ کروں۔ لیکن ان حضرات نے میری اس پیشکش کو نمعلوم کس جذبے پر مبنی محمول کیا کہ جواب صاف نفی میں آ گیا۔ تب وہاں تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ بھی قائم کر دی گئی ـــــ اور میرے لئے یہ امر بہت حیران کن ثابت ہوا کہ پاکستان میں تو ''بیعت'' کا لفظ سن کر لوگ بدک جاتے تھے وہاں اسے پوری ذہنی و قلبی آمادگی کے ساتھ قبول کر لیا گیا۔

میں نے اپنے دوسرے سفر امریکہ سے واپس آ کر ایک مفصل خطاب مسجد شہداء لاہور میں کیا تھا جس میں مَیں نے اپنے ''شمالی امریکہ کے مشاہدات اور تاثرات'' بیان کئے تھے۔ یہ خطاب میثاق لاہور کی اشاعت بابت جنوری فروری ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ اور بعد میں ایک کتابچے کی صورت میں ''شمالی امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کا حال اور مستقبل'' کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ اس سے میری اس دَور کی امیدیں اور توقعات جنہیں اب یوفوریا سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے اس کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ کیفیت جلد ہی ختم ہو گئی اور مایوسی' بددلی اور صدمے کی کیفیت طاری ہونی شروع ہو گئی ـــــ اور میری کیفیت جگرؔ کے اس شعر کے مصداق بن گئی کہ ؎

''یہی انجام کا مارا ہوا دل ـــــ ہلاکِ عشرتِ آغاز بھی ہے!''

جیسے کہ میں عرض کر چکا ہوں میرا ابتدا میں Thrust اس جانب تھا کہ وہاں کے لوگوں کی پاکستان کی تحریک اسلامی کے لئے بازیافت کی جائے ـــــ لیکن جلد ہی محسوس ہو گیا کہ ؎ ''ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے۔ واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے!'' کے مصداق وہاں کے لوگ ''زمیں جنبد نہ جنبد گل

محمدؐ'' کے عین مطابق واپسی کے لئے ہرگز آمادہ نہیں ـــــ پھر بعض تجربات ایسے بھی ہوئے کہ چند رفقاء نے میری آواز پر کان دھرا اور پاکستان واپس آ گئے تو چند ہی مہینوں میں کچھ اپنے اعزہ واقرباء کے ہاتھوں لٹ پٹ کر' اور کچھ یہاں کے کاروباری اور عام شہری وسرکاری ماحول کے ہاتھوں تنگ ہو کر اپنی پونجی ضائع کر کے واپس امریکہ جانے پر مجبور ہو گئے!

دوسری جانب یہ بھی محسوس ہوا کہ جو لوگ امریکہ میں ساتھ آئے ہیں وہ بھی SSQ اور TINA دونوں کو صرف ایک سوشل اور کچھ درس و تدریس کا حلقہ بنانے سے آگے بڑھنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس لئے کہ وہاں کے ماحول کی گرفت' پھر اپنی معاش کی مصروفیات مزید کوئی نتیجہ خیز کام کرنے کی اجازت ہی نہیں دیتیں۔ اور ظاہر ہے کہ دعوت واقامت دین کی سعی وجہد ایک ضمنی سی پارٹ ٹائم activity سے بہت بڑھ کر تقاضا کرتی ہے ـــــ اس زمانے میں مَیں نے اپنے ایک سب سے قریبی ساتھی کو جن کے ساتھ حقیقی بھائیوں کا سا تعلق قائم ہو گیا تھا ایک خط میں یہ الفاظ بھی لکھے کہ: ''میں نے تو سمجھا تھا کہ امریکہ میں ہیرے اور جواہرات موجود ہیں' لیکن اب محسوس ہوتا ہے کہ ع ''یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے'' کے مصداق وہاں بھی پاکستان کی طرح کنکر اور پتھر ہی ہیں!''

بہرحال گاڑی اسی طرح چلتی رہی ـــــ اور جیسے انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریوں کو ڈانٹتے اور ڈپٹتے طعن وملامت کرتے رہتے تھے' میں بھی اپنے ساتھیوں کو ملامت کرتے اور طرح طرح سے جھنجھوڑتے ہوئے ساتھ چلتا رہا۔ اس لئے کہ ساتھی یہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے اور از سر نو تجدید عہد کر لیتے تھے!

اس کے ساتھ ہی میں بھی ایک سیڑھی نیچے اتر آیا۔ اور میں نے ستمبر ۱۹۹۰ء میں رفقاء کے ایک بڑے اجتماع سے' جو ڈیٹرائٹ (مشی گن) میں منعقد ہوا تھا' یہ تصور پیش کیا کہ آپ لوگ مستقل طور پر پاکستان نقل مکانی کرنے کی بجائے یہیں رہتے ہوئے

پاکستان میں تنظیم اسلامی کی مدد کریں ـــــ جو دو صورتوں میں ہو سکتی ہے: (i) مالی اعانت اور (ii) ہر سال ایک ماہ نہیں تو کم از کم تین ہفتے کے لئے پاکستان آ کر اپنے اعزہ و اقارب اور دوستوں اور احباب تک تنظیم کی دعوت پہنچائیں ـــــ یہ تقریر ''میثاق'' کی اکتوبر اور نومبر ۱۹۹۰ء کی اشاعتوں میں شائع ہوئی تھی ـــــ اور یہی تقریر تھی جس کے ردِّعمل کے طور پر تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ میں ''بغاوت'' ہو گئی! اور اوپر جس قریب ترین ساتھی کا ذکر آیا ہے اور جسے میں نے TINA کا امیر نامزد کیا تھا انہوں نے رفقاء کا اجتماع کر کے یہ ریزولیوشن پاس کرا لیا کہ ـــــ (۱) اپنی صاف آمدنی (Net Income) کا پانچ فیصد بہت زیادہ ہے' کم ہونا چاہئے۔ طے غالباً یہ ہوا تھا کہ اس میں دو فیصد پاکستان جائے گا اور تین فی صد سے یہاں دعوت کی توسیع اور تنظیمی اخراجات کئے جائیں گے۔) اور (۲) ہمارا پاکستان ہر سال جانا ممکن نہیں ہے لہٰذا یہ فیصلے واپس لئے جائیں ـــــ اور آئندہ کے لئے تنظیم کی اساس بیعت کی بجائے عام دستوری و جمہوری اصول پر قائم ہونی چاہئے!

اس پر میرا صدمہ فطری تھا ـــــ اس صدمے کی حالت میں مَیں ۱۹۹۱ء میں امریکہ گیا تو وہاں شکاگو میں منعقدہ اجتماع میں مَیں نے اپنے غم اور غصے کا اظہار کر کے سب کو بیعت کے قلادے سے آزاد کر دیا ـــــ اور گویا اپنی بارہ سال کی محنت پر اِنّا للہ پڑھ کر واپس آ گیا۔ واضح رہے کہ اسی سفر سے واپسی پر نیویارک میں میرے گھٹنوں میں درد شروع ہوا جو یقیناً اسی صدمے کا نتیجہ تھا ـــــ اور جو بعد میں مسلسل بڑھتا گیا تا آنکہ ۱۹۹۸ء میں مجھے دونوں گھٹنوں کی سرجری کرانی پڑی ـــــ!

اس سب کے باوصف میں نے ان سابقہ رفقاء سے کہا کہ آپ اب خود SSQ کو منظم کر لیں ـــــ یا TINA کو جمہوری و دستوری اساس پر از سرِ نو منظم کر لیں ـــــ میں یہ دونوں نام آپ کے حوالے کرتا ہوں ـــــ اور ساتھ ہی وعدہ کرتا ہوں کہ حکم قرآنی ﴿تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ کے مطابق میرا تعاون ہی نہیں سرپرستی بھی آپ کو حاصل رہے گی ـــــ البتہ جو رفقاء از

سرنو بیعت کر لیں وہ یہاں "Freinds of Tanzeem-e-Islami Pakistan-FOTIP" کے عنوان کے تحت اپنی جمعیت کو برقرار رکھیں۔ لیکن ہونا کیا تھا؟ بہت سے لوگ جنہیں بیعت کے قلادے سے آزادی مل گئی تھی انہوں نے ''جان بچی سو لاکھوں پائے!'' کے سے انداز میں گوشہ عافیت میں پناہ لے لی' اور نہ SSQ آگے چل سکی اور نہ TINA! البتہ خاصی معتد بہ تعداد میں رفقاء نے تجدید بیعت کر لی اور اس طرح FOTIP کا قافلہ چل پڑا۔

اس حادثے کے بعد میں نے تو اپنے طور پر نارتھ امریکہ کا chapter بالکل close کر دیا تھا' لیکن دو واقعات کی بنا پر وہاں جلد ہی ایک نیا باب کھل گیا ـــــ ان میں سے پہلی بات یہ کہ انجینئر برادرم عطاء الرحمٰن جو امریکہ میں MSA کے ابتدائی ارکان میں سے تھے' جس نے بعد میں ایک بہت بڑی تنظیم ''اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ'' (ISNA) کی صورت اختیار کر لی تھی' کچھ عرصہ کے لئے بسلسلۂ ملازمت سعودی عرب چلے گئے تھے ـــــ انہوں نے وہاں پورے انشراحِ صدر کے ساتھ تنظیم میں شمولیت اختیار کی اور وہاں کی امارت کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے بہت اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا ـــــ اور پھر جب وہ وہاں سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ حکم دیں تو میں پاکستان آ جاؤں اور اجازت دیں تو امریکہ ہی واپس چلا جاؤں۔ میں نے جب ان کے خاندانی حالات معلوم کئے تو علم ہوا کہ ان کا سارا خاندان والدین' بھائی بہنیں اور سسرال والے سب امریکہ میں ہیں۔ دوسرے ان کا اردو کا لہجہ خالص حیدر آبادی تھا جو پاکستان میں دعوت کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا تھا لہٰذا میں نے انہیں امریکہ واپسی کی اجازت دے دی اور انہیں "FOTIP" کا امیر مقرر کر دیا ـــــ دوسرے یہ کہ میرے امریکہ کے ویزا میں ابھی گنجائش تھی کہ ایک سفر کر سکوں اور جب یہ مہلت تیزی سے ختم ہو رہی تھی تو میں سوچ ہی رہا تھا کہ یہ ویزا بے کار جائے گا ـــــ کہ اچانک تنظیم اسلامی کے ایک رفیق کے ذریعے ان کے اعزہ مقیم نیو جرسی کی جانب سے زوردار دعوت مع واپسی ٹکٹ کی رقم کے

موصول ہوگئی ـــــ چنانچہ میں نے سوچا کہ امریکہ کا ایک آخری سفر کر ہی لیا جائے!

اس سفر میں پھر دو باتیں بہت غیر متوقع پیش آ گئیں ـــــ ایک یہ کہ نیو جرسی اور نیویارک سے بڑی تعداد میں لوگ تنظیم میں شریک ہو گئے۔ (اس سے قبل اس علاقے میں تنظیم کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اور نیویارک میرے لئے اکثر و بیشتر صرف پورٹ آف انٹری اینڈ ایگزٹ کی حیثیت رکھتا تھا!) دوسرے یہ کہ اس سفر میں نیویارک پہنچنے کے دوسرے ہی روز میں نے ٹرنٹن کی جامع مسجد میں انگریزی زبان میں جمعہ کا خطبہ دیا تو یہ بیان جس روانی اور سلاست کے ساتھ ہوا اس سے خود میں حیران رہ گیا ـــــ اور میں نے اسے من جانب اللہ اشارہ سمجھا کہ یہاں کی صورت حال سے مایوس نہ ہو اور کام جاری رکھو!

بہر حال اس وقت سے تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کا ایک نیا دور شروع ہوا جس کے لئے ہم نے نام بھی دوبارہ TINA ہی کا اختیار کر لیا' اور جس کی مسلسل ترقی اور استحکام میں سب سے بڑھ کر نتیجہ خیز مساعی برادرم عطاء الرحمٰن ہی کی رہیں ـــــ چنانچہ اُس وقت سے TINA مسلسل ترقی کرتی رہی ـــــ تا آنکہ سال ۲۰۰۲ء کا جو کنونشن حال ہی میں ۲۵ تا ۲۹ دسمبر نیو جرسی میں ہوا ہے اس میں ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے واقعہ کے بعد کے حالات کی بنا پر پہلی بار میری شمولیت تو نہ ہو سکی لیکن اس کی روداد سے محسوس ہوتا ہے کہ اب TINA نے امریکہ کے امیگرنٹ مسلمانوں کی دینی اور ثقافتی زندگی میں صاحب تشخص اور قابل ذکر مقام حاصل کر لیا ہے ـــــ!

امریکہ میں تنظیم اسلامی کی اس نشاۃ ثانیہ اور اس کے ضمن میں اپنے کردار کو از سر نو ایک جدید جذبے کے ساتھ شروع کرنے میں دو عوامل فیصلہ کن ثابت ہوئے تھے: ایک یہ کہ امریکہ سمیت مغربی دنیا میں جا بسنے والے مسلمانوں کی نئی نسل جو وہاں ہی پیدا ہوئی اور پلی بڑھی اور اس نے وہیں تعلیم حاصل کی اس کا بڑا حصہ تو اگرچہ وہاں کے رنگ میں رنگا جا رہا تھا ـــــ لیکن ایک معتد بہ تعداد میں ایسے نوجوان بھی تھے جن میں مذہبی اور

دینی جذبہ وعمل حیران کن مقدار میں موجود تھا ـــــ اور وہ جس اعتماد کے ساتھ اسلام پر جازم وعامل ہیں اور وہاں کے لوگوں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے تھے وہ بہت قابل قدر تھا ـــــ اور ان کے جذبات کو صحیح راہ عمل پر ڈالنا بہت ضروری ہے ـــــ ورنہ ہوسکتا ہے کہ وہ مشتعل ہوکر کوئی غلط راستہ اختیار کرلیں۔ دوسرے یہ کہ آخر امریکہ کے باشندوں میں سے بھی تو کچھ مسلمان ہیں (خصوصاً افریقی امریکی مسلمان) جن کا پاکستان منتقل ہونا ظاہر ہے کہ خارج از بحث ہے اور پھر جو امیگرنٹ مسلمان وہاں مستقل طور پر آباد ہو گئے ہیں ان پر بھی تو وہی دینی فرائض عائد ہوتے ہیں جن کے ادراک وشعور کے نتیجے میں عالمِ اسلام میں احیائے اسلام اور غلبۂ دین کی تحریکیں چل رہی ہیں ـــــ مزید یہ کہ امریکہ اس وقت عالم انسانیت کا اعصابی مرکز (Nerve Centre) ہے' جہاں سے پوری دنیا کو پیغام پہنچ سکتا ہے ـــــ اور عالم اسلام کی بعض تحریکات جو ردِّعمل (reaction) کے نتیجے میں تشدد پسندی اور دہشت گردی کی جانب رخ کر رہی ہیں انہیں یہاں سے ''منہج انقلابِ نبویؐ'' کا صحیح شعور پہنچایا جا سکتا ہے ـــــ! ـــــ بنابریں امریکہ میں TINA کی یہ ''نشأۃ ثانیہ'' بہت بابرکت ثابت ہوئی اور TINA جو اس سے قبل صرف ہندو پاک کے امیگرنٹس پر مشتمل تھی اس میں بعض نہایت قیمتی افراد عرب اور دیگر ممالک سے آنے والوں میں سے بھی شریک ہو گئے!

TINA کی اس تعمیر جدید کے ضمن میں اس نئے دور کے تقاضوں کے طور پر بعض باتیں میں نے ابتداء ہی سے کہنی شروع کر دی تھیں' مثلاً ایک یہ کہ اس کا mediumاب انگریزی زبان کو ہونا چاہئے ـــــ دوسرے یہ کہ اس کی قیادت اب ''مقامی'' ہونی چاہئے ـــــ اور پاکستان سے اس کا قانونی یا دستوری تعلق ختم ہو جانا چاہئے! اس کے لئے میں نے ایک کنونشن میں ''دودھ چھڑانے'' (یعنی weaning) کی اصطلاح بھی استعمال کی! ـــــ لیکن چونکہ ابھی مقامی طور پر ایسی متفق علیہ قیادت سامنے نہیں آ سکی تھی لہٰذا میرے ساتھ بیعت کا تعلق بھی برقرار رہا۔

اور اس طرح TINA عالمی تنظیم اسلامی ہی کی ایک شاخ رہی ـــــ اور میں بھی اپنی ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں وہاں کام چلاتا رہا!

لیکن اب TINA کو ایک اور بحران کا سامنا ہے' جو اگرچہ چھوٹے پیمانے اور محدود درجے کا ہے' لیکن اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ یہ تحریر اصلاً اسی کے ضمن میں اپنی رائے پیش کرنے کے لئے سپردِ قلم کی جا رہی ہے!

اس کا پس منظر یہ ہے کہ اس نئے دور کے آغاز میں چند ذہین و فطین نوجوان بھی تنظیم میں شامل ہوئے اور انہیں میری ۱۹۶۷ء کی ایک تحریر ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' بے حد پسند آئی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے عاشق اور پرچارک بن گئے ـــــ پھر چونکہ میں نے اپنی اس تحریر میں اُس جدید علم کلام کے قاعدے (primer) کی حیثیت سے علامہ اقبال کے مشہور خطبات کا تعارف کرایا تھا جس کی آج کے دور میں ضرورت ہے' لہٰذا انہوں نے اس کا بالاستیعاب مطالعہ کیا اور پھر کمر کس لی کہ عہد حاضر کے فکر پر تنقید اور اسلامی فکری اساسات کو مبرہن کرنے کے لئے زندگی وقف کر دیں گے ـــــ چنانچہ متعدد نوجوانوں نے اپنے تعلیمی کیریئر تبدیل کر کے فلسفہ و عمرانیات میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کے لئے یونیورسٹیوں میں داخلہ لے لیا!

میں نے ان نوجوانوں کی بھرپور پذیرائی کی ـــــ اور خاص طور پر اس کی روحِ رواں کی حیثیت رکھنے والے نوجوان کی برملا تعریفیں کیں' انہیں پاکستان میں متعارف کرایا اور علیٰ رؤس الاشہاد کہا کہ جو کام میں نے ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ'' میں تجویز کیا تھا اس کی جانب ہم پاکستان میں تو پیش رفت نہیں کر سکے لیکن اب ان شاء اللہ امریکہ میں یہ کام بھرپور طریقے سے ہوگا۔ جس کے لئے میں نے امریکہ میں (Institute of Quranic Wisdom) کا نقشہ پیش کیا ـــــ (I.Q.W) ـــــ اور چونکہ اسلامک سنٹر آف نیویارک' فلشنگ' کوئنز' نیویارک کے صدر اور مجلس منتظمہ کے متعدد ارکان تنظیم میں شامل ہو گئے تھے اور اس کی جو شاندار تعمیر نو ہوئی اس کے ضمن میں بھی

تنظیم کے ایک رفیق اور میرے خالہ زاد بھائی ممنون احمد مرغوب صاحب نے دن رات جان توڑ محنت کی تھی' لہٰذا توقع تھی کہ اسی عمارت میں I.Q.W بھی قائم ہو جائے گا۔

لیکن اس کے بعد دو حادثات پیش آ گئے: (۱) یہ کہ فلشنگ کے سنٹر کے بعض فعال ذمہ دار حضرات کی مخالفت کی بنا پر انتظامیہ نے وہاں I.Q.W. کے قیام سے معذرت کر لی (اگرچہ تنظیم کے اجتماعات وغیرہ کے لئے وہاں کی facilities بھرپور طور پر دستیاب رہیں!) اور (۲) دوسرے یہ کہ اسی سنٹر میں نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ایک ماہ کا تربیتی کورس TINA اور IQW کے زیر اہتمام منعقد ہوا۔ اس کے دوران دو اہم ترین رفقاء کے درمیان تنازعہ ہو گیا جس نے غیر معمولی شدت اختیار کر لی۔ مجھے یہاں پاکستان میں اطلاعات ملیں تو مجھے شدید صدمہ ہوا۔ لیکن میں اتنی دور بیٹھا کیا کر سکتا تھا۔ میں نے TINA ہی کے پانچ سینئر رفقاء پر مشتمل کمیٹی بنا دی کہ فریقین کے بیان سن کر فیصلہ کریں کہ قصور کس کا ہے۔ اس کمیٹی نے بالاتفاق فیصلہ دیا کہ نوے فیصد قصور ایک رفیق کا ہے اور دس فیصد دوسرے کا!۔۔۔۔ اس کے بعد جب میں اپنی سالانہ یاترا پر امریکہ پہنچا تو نوے فی صد قصوروار قرار دیئے جانے والے رفیق میرے پاس آئے اور کہا کہ فیصلہ غلط ہوا ہے' آپ اسے reverse کر دیں۔ میں نے کہا کہ اگر میں ایسے ہی فیصلہ تبدیل کر دوں تو یہ گویا میرا اس کمیٹی کے خلاف اظہارِ عدم اعتماد ہو گا۔ البتہ تم باضابطہ اپیل (appeal) کرو تو میں از سرِ نو سماعت کر سکتا ہوں۔ جس پر انہوں نے کہا کہ ''اپیل تو میں نہیں کرتا!'' چنانچہ میں نے فیصلہ برقرار رکھا اور سالانہ کونشن میں' جو چند روز بعد منعقد ہوا' انہوں نے جملہ رفقاء کے سامنے اپنی غلطی تسلیم کر کے معافی مانگ لی اور دونوں رفقاء بھرے اجلاس کے سامنے بغلگیر ہو گئے!۔۔۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ ان دونوں کے مابین خلیج زیادہ گہری ہو چکی تھی اور یہ ظاہری میل ملاپ صرف دکھاوے کا تھا۔ چنانچہ جب میں اگلے سال امریکہ گیا (یعنی ۲۰۰۱ء میں) تو وہی ''نوے ہزاری منصب دار'' میرے پاس آئے اور مطالبہ کیا کہ فیصلہ ریورس کیا جائے اور مجھے IQW میں حتمی و قطعی اختیارات تفویض کر دیئے جائیں' بصورت دیگر

میں تنظیم میں نہیں رہ سکوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ تنظیم میں شامل رہنا یا نہ رہنا تمہاری آزاد مرضی (sweet will) پر منحصر ہے لیکن میں اس دھمکی کے تحت کوئی اقدام نہیں کر سکتا ـــــ چنانچہ وہ تنظیم سے علیحدہ ہو گئے اور اس طرح ہم TINA اور IQW کے تحت متوقع علمی تحریک کی اہم ترین شخصیت سے محروم ہو گئے ـــــ اور چونکہ ان کے حلقہ اثر میں سے چند ساتھی انہیں ''مظلوم'' سمجھتے تھے لہٰذا وہ بھی تنظیم سے علیحدہ ہو گئے!

اس حادثے کا اثر فطری طور پر اس حلقے میں شامل دوسرے نوجوانوں پر بھی رنج اور صدمے کی صورت میں تو پڑا ہی ہے ـــــ لیکن بعض نے امریکہ میں تنظیم اسلامی کے قیام اور امکاناتِ کار کے بارے میں از سرِ نو re-thinking بھی شروع کر دی ہے جن میں سے دو نوجوان مجھے اتنے ہی عزیز ہیں جتنا وہ ''یوسف گم گشتہ'' تھا جو ساتھ چھوڑ گیا ـــــ اور ان سے بھی میری بعض بلند توقعات وابستہ ہیں' بلکہ صلاحیت کار کے اعتبار سے وہ غالباً بہت بہتر بھی ہیں! ان میں سے ایک نے کراچی سے ایم بی بی ایس کیا' ان کا پورا خاندان پہلے ہی امریکہ منتقل ہو چکا تھا' خود ان کی جیب میں بھی گرین کارڈ موجود تھا ـــــ چنانچہ فوراً امریکہ روانہ ہو گئے لیکن وہاں چند ماہ کے قیام کے بعد ہی یہ فیصلہ کر کے واپس آ گئے کہ نہ میں امریکہ میں رہوں گا ـــــ نہ ڈاکٹری کا پیشہ اختیار کروں گا' (یہ اپنے ہائی اسکول کے زمانے سے ماہنامہ ''میثاق'' کے قاری رہے تھے!) بلکہ دین کی خدمت کروں گا ـــــ چنانچہ وہ لاہور آ گئے ـــــ اور چونکہ انگریزی بہت اچھی لکھ لیتے تھے لہٰذا قرآن اکیڈمی کے انگلش سیکشن کے انچارج ہو گئے ـــــ جس کے تحت ایک سہ ماہی انگریزی جریدہ "QURANIC HORIZONS" کے نام سے جاری کیا ـــــ لیکن پھر علمی میدان میں دین کی خدمت کا جو غلغلہ امریکہ میں IQW کے تحت بلند ہوا تھا اس کی کشش نے انہیں بھی وہاں کھینچ لیا ـــــ اور اب وہ امریکہ کی ایک یونیورسٹی سے ایم اے کر لینے کے بعد پی ایچ ڈی کا مرحلہ طے کر رہے ہیں! ـــــ دوسرے اہم رفیق امریکہ ہی میں دستیاب ہوئے تھے اور وہاں ایم ایس میکینکل انجینئرنگ کر چکے تھے'

لیکن وہ بھی تنظیم میں شامل ہونے کے بعد اسی ''نشاۃ ثانیہ'' میں بیان کردہ کام کے لئے کمر کس چکے ہیں اور امریکہ کی عظیم یونیورسٹی "YALE" سے ایم اے کرنے کے بعد اب پی ایچ ڈی کے مرحلے سے گزر رہے ہیں اور ان دونوں کا اس خیال پر اتفاق ہو گیا ہے کہ امریکہ میں اسلامی انقلاب یا اقامت دین کا کام خارج از بحث ہے۔ یہاں صرف دعوت و تبلیغ ہونی چاہئے اور اس کے لئے ''بیعت سمع و طاعت'' کے بھاری بھرکم نظام کی چنداں ضرورت نہیں ہے' صرف ڈھیلا ڈھالا انجمن اور سوسائٹی ٹائپ کا نظم کفایت کرے گا! باقی ''کرنے کا اصل کام'' بلند ترین علمی سطح پر فکر مغرب کا ابطال اور امورِ ایمانی کا احقاق و اثبات ہے! چنانچہ ان دونوں نے حال ہی میں مجھے اپنی مفصل تحریروں کے ذریعے ان امور کے ضمن میں قائل کرنے کی بھرپور اور مخلصانہ کوشش کی ہے!

مجھے یہ دونوں نوجوان بہت محبوب ہیں اور ان سے میری بہت سی امیدیں اور توقعات وابستہ ہیں اور مجھے یہ یقین بھی حاصل ہے کہ دونوں نہایت مخلص ہیں اور انہوں نے تاحال تنظیم کے نظم کی کوئی نمایاں خلاف ورزی بھی نہیں کی ہے' لیکن میرے نزدیک ان کی سوچ یک رخی ہو گئی ہے اور میرے دینی و تحریکی افکار کا ایک پہلو ان کی نگاہوں میں اس درجہ کھب گیا ہے کہ دوسرا رخ پوری طرح اجاگر نہیں رہا!

میری مراد اس سے یہ ہے کہ آج سے ٹھیک پینتیس سال قبل ۱۹۶۷ء میں جبکہ میری عمر بھی ٹھیک پینتیس سال ہی تھی' گویا کہ میری زندگی کے عین ''نصف النہار'' پر میرے دینی اور تحریکی فکر کا اظہار دو تحریروں کی صورت میں ہوا: ایک ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام'' جو مئی ۶۷ء میں شائع ہوئی اور دوسری ''تنظیم اسلامی کی قرارداد تاسیس اور اس کی توضیحات'' جو اسی سال ستمبر اکتوبر میں شائع ہوئی۔ ان میں میرے دینی اور تحریکی فکر کے دو رخ بیان ہوئے جن کی ایک دوسرے کے ساتھ عکسی (یعنی reciprocal) نسبت بھی تھی اور عونی (یعنی complementary) بھی! اور یہ دونوں گویا گاڑی کے دو پہیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ مقدم الذکر کام کے لئے پہلے

۱۹۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور قائم ہوئی' پھر قرآن اکیڈمی وجود میں آئی! جس کے تحت قرآن اکیڈمی فیلوشپ کی سکیم شروع کی گئی لیکن بوجوہ ہمارا یہ کام زیادہ نہیں بڑھ سکا۔ دوسرے کام کے لئے ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی کی باضابطہ تاسیس ہوئی جس کے لئے ۱۹۷۷ء میں ''بیعت سمع وطاعت فی المعروف'' کی اساس اختیار کر لی گئی۔ اس دوسرے کام کی جانب الحمدللہ کہ پیش رفت خاصی اطمینان بخش تھی لہٰذا یہاں ہماری توجہ بھی زیادہ تر اسی کی جانب ہوگئی۔

ان میں سے مقدم الذکر تحریر کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے موجودہ دنیا کے ''آسمان'' سے بحث کی' یعنی یہ کہ اس وقت پوری دنیا میں ایک عالمی (global) تہذیب کا غلبہ ہے جس کی بنیاد خالص مادی فکر ونظر پر قائم ہے جس نے اس پورے کرۂ ارضی کو پوری طرح ڈھانپ لیا ہے جب تک اس فکر کے مدلل ابطال کی صورت پیدا نہیں ہوتی نوعِ انسانی کا اس کے رعب اور دبدبے سے نکلنا ناممکن ہے' اور جیسے علامہ اقبال نے عہد حاضر کے بینکنگ نظام کے بارے میں کہا تھا کہ ؎

ایں بنوک ایں فکرِ چالاکِ یہود نورِ حق از سینۂ آدم ربود!
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام دانش وتہذیب و دیں سودائے خام!

اسی طرح جب تک اس مادی فکر وفلسفہ کی حرمت کا پردہ چاک نہیں کیا جاتا' کسی دینی دعوت وتحریک کا پنپنا آسان نہیں ہے! جس کے لئے ایسے باہمت اور ذہین وفطین نوجوانوں کی ضرورت ہے جو ایک جانب قرآن وسنت کے ''نورِ حق'' سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کر لیں اور دوسری جانب جدید فکر وفلسفہ اور عمرانیات کے مختلف شعبوں میں مہارت حاصل کرنے کے بعد آج کے دور کے لئے امام غزالیؒ کی 'تہافت الفلاسفہ'' اور امام ابن تیمیہؒ کی 'الرد علی المنطقیین'' ایسی کتابیں تصنیف کریں' خواہ انہیں اس کے لئے روکھی سوکھی پر گزارا کرنا پڑے' یہاں تک کہ مارکس کی طرح فاقوں کی نوبت بھی آ جائے!

جبکہ تنظیم اسلامی کی فکری اساس خالص زمینی (down to the earth)

رخ سے بحث کرتی ہے۔ یعنی اس کا موضوع ہر ہر فرد نوعِ بشر کی اخروی نجات اور فوز و فلاح اور اس کے ضمن میں اپنی شخصیت اور سیرت کی صحیح رخ پر تعمیر اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے عائد شدہ جملہ فرائض کی ادائیگی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کی احتیاج ہر انسان کو ہے' خواہ وہ اَن پڑھ ہو یا عالم و فاضل' اور خواہ علمی کام کر سکتا ہو یا صرف بھاگ دوڑ اور جسمانی مشقت کے ذریعے دین کی خدمت کر سکے! اس غرض کے لئے ابتداء ہی میں دینی فرائض کی تین سطحوں کو واضح کیا گیا' یعنی عبادتِ ربّ' شہادت علی الناس اور اقامت دین' ..... اور ان کے لئے سعی مسلسل اور جہد یعنی جہاد فی سبیل اللہ کی قرآنی پکار کے حوالے سے ''مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ؟'' کی صدا بلند کی گئی! تاکہ اقامت دین کی جدوجہد کے لئے جماعت کی شرطِ لازم پوری کی جا سکے!

میرے دینی فکر کے ان دو رُخوں میں فرق صرف اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر کا ہے ورنہ یہ دونوں ایک حیاتیاتی وحدت (Organic Whole) ہیں جن کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ممکن ہی نہیں! چنانچہ ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ'' میں ایک عمومی دعوت کے ادارے کا ذکر موجود ہے اور تنظیم کی قرارداد تاسیس کی توضیحات میں اس علمی کام کی اہمیت مذکور ہے! گویا دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ﴿وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ﴾ کے سے انداز میں باہم پیوست اور مربوط ہیں!

ہمارے متذکرہ بالا دوستوں کے موقف کا ایک اساسی نکتہ یہ ہے کہ یہاں امریکہ میں صرف دعوت کا کام ہونا چاہئے' اقامتِ دین یا اسلامی انقلاب کا نام لینا حکمت عملی کے اعتبار سے بھی غلط ہے' اور معروضی حالات کے اعتبار سے بھی بہت دور' بہت دور کی بات ہے! اس کے لئے ایک دلیل اسوۂ رسول ﷺ سے بھی دی گئی ہے کہ آپؐ نے ابتداء میں کسی انقلاب یا نظام کو بدلنے کی بات نہیں کی!

اس کے ضمن میں اوّلاً تو یہ عرض ہے کہ موخوالذکر دلیل حقائق پر مبنی نہیں ہے۔ غور کیجئے کہ دوسری یا چوتھی وحی ہی میں وارد شدہ الفاظ ﴿وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾ کے معنے کیا تھے؟ کیا صرف اللہ اکبر کہہ دینا یا اللہ کی کبریائی کا ڈنکا بجا دینا اور اس کو بالفعل نافذ بھی

کرنا؟ بقول اقبال ؎

یا وسعتِ اَفلاک میں تکبیرِ مسلسل یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست یہ مذہبِ مُلّا و جمادات و نباتات!

پھر ''اقامت دین'' اور عدلِ عمرانی کے قیام کا حکم کیا سورۂ شوریٰ میں وارد نہیں ہوا جو مکی دور کے وسطی زمانے میں نازل ہوئی ہے [فحوائے ﴿اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ﴾ اور ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾]

ثانیاً غور فرمائیے کہ دعوتِ دین سے آپ کی مراد اس قسم کے کام ہیں جو ''دعوہ'' کے عنوان سے اسلامک سنٹرز اور بعض گروپوں کے ذریعے امریکہ میں ہو رہے ہیں یا واقعی اور حقیقی ''دعوتِ دین'' ہے (جس کے ضمن میں مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی شاہکار تصنیف ''دعوتِ دین اور اس کا طریق کار'' نہایت چشم کشا اور سبق آموز ہے!) مزید غور کیجئے کہ قرآن حکیم میں دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں: ایک ''دعوت الی اللہ'' اور دوسرے ''دعوت الیٰ سبیل الربّ'' اب فرمائیے اللہ کی جانب دعوت دینے میں آپ اپنے مخاطب کو کس اللہ سے متعارف کرائیں گے؟ کیا وہ جو صرف خالق و رازق ہے یا وہ جو المَلِک بھی ہے اور مالِکُ المُلک بھی' اور حاکم بھی ہے اور شارع (Law giver) بھی! اب اگر آپ نے مصلحتاً دوسرے پہلو کو چھپایا تو آپ قرآنی اصطلاح ''الحاد فی اسماء اللہ'' کے جرم کے مرتکب ہوں گے آگے آیئے ''سبیل ربّ'' سے آپ کیا مراد لیں گے ایک لفظ میں تو اس کے لئے ''عبادت'' کی اصطلاح کفایت کرتی ہے' لیکن سوچئے کہ آپ اس عبادت کا مفہوم صرف پوجا پاٹ' حمد و ثنا' یعنی صرف پرستش (worship) لیں گے یا اس کے جزوِ اعظم اطاعت کو بھی شامل کریں گے ..... اور پھر یہ اطاعت صرف انفرادی زندگی میں ہوگی یا نظام اجتماعی پر بھی حاوی ہوگی؟ ..... ساتھ ہی محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان کی دعوت بھی دیں گے تو کیا آپؐ کے اتباع میں آپؐ کی پوری زندگی کی جدوجہد کے رخ کو نظر انداز کر دیں گے اور ''اسوۂ رسول'' کو صرف نماز روزے میں اتباع' اور داڑھیوں' ٹخنوں کے اوپر

پاجاموں اور مسواک تک محدود رکھیں گے؟ یا اس اسوۂ رسولؐ میں آپؐ کی پوری زندگی کی انقلابی جدوجہد کو بھی شامل کریں گے؟ گویا بات وہی ہے کہ ؎

''جز دار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ ناچار گنہ گار سوئے دار چلے ہیں!''

یہ صحیح ہے کہ ابتداءِ دعوت میں اس کے آخری مضمرات کا ڈنکے کی چوٹ بیان کرنا ضروری نہیں ہے لیکن ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں پاکستان میں بھی مسلمانوں ہی میں کام کرنا ہے اور امریکہ میں بھی ہمارے اوّلین مخاطب جن میں سے ابتدائی اعوان و انصار کے دستیاب ہونے کی امید کی جاسکتی ہے وہ لامحالہ مسلمان ہی ہیں اور مسلمانوں میں دین کے نام پر کئی دعوتیں اور تحریکیں چل رہی ہیں۔ اس پس منظر میں اپنی دعوت کے تشخص کے لئے ہمیں ابتدا ہی سے اپنی دنیوی سعی و جہد کے آخری ہدف کی وضاحت کے لئے حکومت الٰہیہ' یا غلبۂ دین' یا اقامتِ دین یا قیامِ نظامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی اصطلاحیں ہی استعمال کرنی پڑیں!

پھر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس انقلابی دعوت کے پنپنے کی امید صرف ایسے ملک میں کی جاسکتی ہے جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں امریکہ میں تو ہم آٹے میں نمک کی حیثیت رکھتے ہیں! واقعہ یہ ہے کہ یہ دلیل بھی عذرِ لنگ اور معروضی حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ مسلمان اکثریت والے ممالک میں فرقہ پرستی اور سیاسی حوصلہ مندی اور طالع آزمائی دو لعنتیں ایسی ہیں جو صحیح اسلامی دعوت کے پنپنے میں سدّ سکندری کی طرح حائل ہیں اور ان پر مستزاد نفس پرستی اور طلب دنیا کی ہوس! اور سب سے بڑھ کر مغرب کی مرعوبیت اور اس کی اندھی نقالی ایسے مہلک امراض ہیں' جبکہ غیر مسلموں کو دعوت دینے میں ان میں سے کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے بشرطیکہ دعوت کے تقاضے پورے کئے جائیں اور اس کی دھن سوار ہو جائے! اور وقت اور قوت اور ذرائع و وسائل کا بیشتر حصہ اس کے لئے وقف کیا جائے!

میرا اٹھارہ برس کی عمر سے (۱۹۵۰ء سے) پختہ موقف یہ ہے کہ بندۂ مومن خواہ کوئی بھی اور کہیں بھی ہو' اس کا اوّلین فرض ہے کہ جس نظام کے تحت رہ رہا ہے اس میں

جس حد تک بھی ممکن ہو (خواہ مشکل کتنا ہی ہو) اپنے وجود اور اپنے گھر پر اسلام کو نافذ کر کے عبادتِ ربّ کے تقاضے کو پورا کرے پھر اسی دعوت کا پرچارک بن کر کھڑا ہو جائے اور جتنے بھی ساتھی ملیں انہیں ایک جماعتی نظم میں منسلک کر کے قوت کی شکل دے اور پھر اگر یہ قوت معتد بہ حد تک فراہم ہو جائے تو نظام باطل کو ختم کر کے دین حق کو قائم کرنے کی کوشش کرے اور یہ فرائض ہر مومن پر عائد ہوتے ہیں خواہ وہ کسی ملک اور سرزمین میں' اقلیت کا کیا سوال' بالکل تن تنہا ہو! جس کے ضمن میں عظیم ترین مثال خود نبی اکرم ﷺ کی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ معتد بہ حد تک افرادی قوت دستیاب ہوتی ہے یا نہیں تو اس کا دار و مدار اللہ کی مشیت اور ماحول کی نوعیت پر ہے! جس کی ممکنہ صورتوں میں سے ایک انتہا پر حضرتِ نوح علیہ السلام ہیں جنہیں ساڑھے نو سو برس میں بھی کوئی response نہیں ملا اور دوسری انتہا پر سید المرسلین اور خاتم النبیین ﷺ ہیں جنہیں تھوڑی سی مدت میں مناسب قوت فراہم ہو گئی!

اسی طرح کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ آنحضور ﷺ نے بیعت سمع و طاعت اُس وقت لی تھی جب باطل کو چیلنج کرنے یعنی اقدام اور تصادم کا مرحلہ شروع ہونے والا تھا۔ میں بارہا واضح کر چکا ہوں کہ اس سے قبل آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین رسول اور امتی کا جو رشتہ تھا کیا وہ سمع و طاعت کے تقاضے بتمام و کمال پورے نہیں کرتا تھا؟ تو آیا اب پہلے مرحلے کے لئے تنظیم کی اساس ہمیں لازماً جدید دنیا کے مروّجہ اساسات ہی میں سے لینی ہوگی یا ہم اس دلیل کے تحت کہ ایک فرض اور واجب و مسنون کام کے لئے ہم کوئی نئی بنیاد کیوں اختیار کریں کیوں نہ اسی بیعت کو ذرا stretch کر لیں؟ اس ضمن میں میری زندگی کے اہم واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ جب ہم نے تنظیم اسلامی کے لئے بیعت کی اساس اختیار کی اور اس کا کچھ چرچا ہوا تو بعض علماء نے اس کے خلاف فتویٰ دیا اس ضمن میں اس سے قطع نظر کہ مولانا سید حامد میاںؒ نے میری تائید کی اور مخالفوں کو مسکت جواب دیا میں مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے دریافت کیا کہ ان کا

اس کے بارے میں کیا خیال ہے' جس پر انہوں نے پہلے تو بے ساختہ فرمایا کہ: ''یہ بیعت بالکل غلط ہے!'' پھر میں نے اپنے سوال کو دو حصوں میں تقسیم کیا کہ ''اولاً یہ فرمائیے کہ کیا موجودہ حالات میں دین کی خدمت اور فروغ کے لئے جماعت بنانا جائز ہے یا نہیں؟'' فوری جواب ملا: ''بالکل جائز ہے!'' اس پر میں نے دوسرا سوال کیا کہ اس جماعت سازی کے لئے کوئی مسنون اساس ہے یا نہیں؟'' تو چونکہ ہمارے علماء بالعموم اور مفتی حضرات بالخصوص منطق کے بڑے ماہر ہوتے ہیں لہٰذا مفتی عثمانی صاحب نے ایک لحظہ کی تاخیر کے بغیر فرمایا کہ: ''ٹھیک ہے بیعت جائز ہے' لیکن آپ کی نہیں!'' اس پر میں نے پوچھا کہ ''میری کیوں نہیں؟'' تو فرمایا کہ: ''آپ نے کسی سے بیعتِ ارشاد کر کے اپنا تزکیہ نفس نہیں کرایا!'' اس پر میں نے صرف یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی کہ: ''چلئے ٹھیک ہے ہمارا پچاس فیصد تو اتفاق ہو گیا ہے' بقیہ پر پھر کسی موقع پر گفتگو کریں گے'' بعد میں مولانا سید حامد میاںؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: ''جو شرط انہوں نے لگائی ہے وہ بیعت ارشاد کے لئے ہے جبکہ آپ کی بیعت جہاد کے لئے ہے اور اس کے ضمن میں نہ صرف یہ کہ یہ شرط عائد نہیں ہوتی بلکہ اس نوع کی بیعت میں افضل مفضول کے ہاتھ پر بیعت کر سکتا ہے!'' یعنی علم' تقویٰ اور تدین میں بہتر اور برتر شخص ان چیزوں میں اپنے سے کمتر کے ہاتھ پر بیعت کر سکتا ہے! اور اس کے ضمن میں مثال یہ بیان فرمائی کہ ''۱۹۳۰ء کے آس پاس قادیانی فتنے کی سرکوبی کے لئے جدوجہد کی غرض سے تنظیمی ڈھانچہ بنانے کے لئے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر سینکڑوں علماء نے بیعت کی تھی جن میں بیہقیٔ وقت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الوقت مولانا احمد علی لاہوریؒ بھی شامل تھے!''

اس پر مستزاد ہیں عقلی اور عملی دلائل و شواہد جن کی رو سے کسی ''تحریک'' کے لئے صرف بیعت ہی کی قسم کا نظامِ جماعت مفید ہوتا ہے' ڈھیلی ڈھالی انجمنیں سماجی' تعلیمی اور اصلاحی کاموں کے لئے کفایت کرتی ہیں' اور چار آنے کی ممبری والی جماعت صرف سیاسی مقاصد کے لئے مفید ہوتی ہے! البتہ یہ دوسری بات ہے کہ اس سمع و طاعت فی المعروف کو ڈکٹیٹر شپ یا آٹوکریسی کے ہم معنی نہ لے لیا جائے بلکہ اس میں

''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ''اور''اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ'' کی روح کو بتمام وکمال ملحوظ رکھا جائے! خود میں نے تنظیم کی ستائیس سالہ امارت کے دور میں صرف ایک بار مجلس شوریٰ کی اکثریت کے خلاف فیصلہ کیا اور وہ بھی جبکہ اکثریت واقلیت میں کل سولہ اور چودہ آراء کا فرق تھا! تاہم یہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ ''بیعت سمع وطاعت فی المعروف'' کی اساس پر قائم جماعت اور جدید جمہوری اور دستوری جماعتوں کے مابین فرق بہت گہرا ہے' اور ان دونوں میں اشخاص وافراد کی نفسیات سے لے کر' امارت و قیادت کے نصب وعزل' اور اظہارِ اختلاف کے انداز اور ہدف کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اس کے سلسلے میں میری ایک تحریر ''تحریک اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ یا چناں کن یا چنیں'' اپریل ۱۹۹۶ء کے ''میثاق'' میں شائع ہوئی تھی جسے دوبارہ جنوری ۲۰۰۳ء کے شمارے شائع کر دیا گیا تھا اس کا بنظر غائر مطالعہ نہایت ضروری ہے!

قصہ مختصر یہ کہ یہ ہے میرے دینی فکر کے اس دوسرے رخ کا وہ خلاصہ جو اس وقت بعض نہایت مخلص رفقاء کی نگاہوں میں مدھم پڑ گیا ہے تاہم یہ میرے عمر بھر کے غور وفکر کا حاصل بھی ہے اور میں اٹھارہ سال کی عمر سے لے کر اب ستر اکہتر سال کی عمر تک نصف صدی سے زیادہ اس پر عمل پیرا بھی رہا ہوں اور جو تنظیم میرے حوالے سے قائم ہوگی وہ اسی اساس پر قائم ہوگی اور ان شاء اللہ اسی پر قائم رہے گی! گویا بقول اقبال ۔

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے لٹا دے' ٹھکانے لگا دے اسے!

اور اب آیئے ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ'' میں مذکور اعلیٰ علمی سطح پر تخلیقی اور تحقیقی کام کی جانب' تو میری رائے ہمیشہ یہ رہی ہے اور اب بھی یہی ہے کہ اسے تحریک کے عمومی دعوتی اور تنظیمی ڈھانچے کے تحت ہونا چاہئے' جو ایک جانب اس کام کے لئے اہل اور

اس کے لئے کمر کسنے والے رفقاء کو سہولتیں بھی فراہم کرے اور تنظیمی ذمہ داریوں کے اعتبار سے انہیں رعایتیں بھی دے اور دوسری جانب ان کی نگرانی بھی کرے کہ کہیں موجود الوقت حالات کے دباؤ کے باعث کسی غلط رخ پر نہ پڑ جائیں! اس لئے کہ یہ میدان بڑا خارزار اور دشوار گزار ہے اور مغربی یونیورسٹیوں کے موجود الوقت علمی و ثقافتی ماحول کے رعب اور دبدبہ سے بالکل غیر متاثر رہنا آسان کام نہیں ہے! اور اس کے لئے ﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (سورۂ توبہ) کے حکم پر عمل اور ع ''پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ!'' کے سے انداز میں تحریکِ اسلامی کے مین شجر سے وابستہ رہنا بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ مغربی اکیڈیمیا کے ماحول کے خارجی اثرات پر مستزاد خود انسانی نفسیات کے داخلی عوامل کے زیر اثر بسا اوقات کسی شخص کے ذہن میں کوئی نیا خیال آ جاتا ہے اور وہ اسے ''دلیہ بہ گندہ بروزہ گندہ' ولے ایجاد بندہ!'' کے سے انداز میں سینے سے لگا لیتا ہے اور پروان چڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کی پوری سوچ پر آکاس بیل کی طرح چھا جاتا ہے اور پودے یا درخت کی توانائی کو چٹ کر جاتا ہے۔ ماضی میں اس کی مثالیں بہت سی رہی ہیں اور خصوصاً مک گل یونیورسٹی آف مانٹریال ہمارے بہت سے ذہین و فطین لوگوں کو غلط رخ پر ڈالنے میں کامیاب رہی ہے۔ !اس تلخ حقیقت کے پیش نظر عافیت اسی میں ہے کہ اعلیٰ علمی سطح پر تخلیقی اور تحقیقی کام کے اتھاہ سمندر میں چھلانگ لگاتے وقت کمر کے ساتھ کوئی تنظیمی ڈور بندھی ہوئی ہو یا یوں کہئے کہ اعلیٰ علمی کام کرنے والوں کے لئے محفوظ تر راستہ یہی ہے کہ وہ کسی تنظیمی اور جماعتی سلسلہ کے حصار یا ''حِصْن'' میں قلعہ بند ہوں۔

پھر یہ بات بھی واضح رہنی چاہئے کہ اس اعلیٰ علمی کام کے مخاطب اگرچہ اعلیٰ علمی طبقات ہی ہوتے ہیں تاہم تاریخ شاہد ہے کہ ان میں سے شاذ ہی کوئی شخص اس کی بنا پر اپنی روش کو تبدیل کر کے راہ حق کی جانب آتا ہے' اس علمی کام کی اصل افادیت بالواسطہ ہوتی ہے ـــــ یعنی یہ کہ موجود الوقت افکار و نظریات پر زوردار ضربیں لگا کر ان کے رعب اور دبدبے کو ختم کر دیں تاکہ خلق خدا کے ذہین عناصر کے ذہنوں پر غلط افکار کے تانے بانے سے مرعوبیت نے جو حجاب طاری کر دیا ہوتا ہے وہ ختم یا کمزور ہو

جائے ـــــ تاکہ پھر قرآن کی دعوت آسانی کے ساتھ ان کے ذہنوں سے گزر کر قلوب تک رسائی حاصل کر سکے! ـــــ باقی اصل ہدایت تو لامحالہ قرآن حکیم ہی سے آئے گی بمجوائے فرمان نبوی ﷺ ''وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى مِنْ غَيْرِهٖ (مِنْ غَيْرِ الْقُرْآنِ) اَضَلَّهُ اللّٰهُ''، یعنی جو شخص بھی قرآن حکیم کے سوائے کسی اور ذریعے سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے لازماً گمراہ کر دے گا!

اب اگر میری ان گزارشات سے ہمارے وہ نوجوان امریکی ساتھی جو علمی جہاد کے لئے کمر کس چکے ہیں یا ابھی پر تول رہے ہیں ـــــ ''بازآ بازآ۔ آں ہر چہ ہستی بازآ!'' کے انداز میں اپنے خیالات سے رجوع کر لیتے ہیں تو ظاہر ہے کہ فھو المطلوب! ـــــ اس سے جو خوشی اور مسرت مجھے ہوگی اس کا اندازہ ویسے تو دوسرے لوگ بھی کر سکتے ہیں لیکن ع ''دل را بہ دل رہیست!'' کے مصداق خاص طور پر خود ان کو اس کا صحیح ترین اندازہ ہوگا ـــــ اور اگر بصورت دیگر وہ اپنے خیالات پر جازم رہتے ہیں تب بھی میری پیشکش وہی ہوگی جو ۹۰۔۱۹ء میں TINA کے پہلے بحران سے متعلق رفقاء کو دی تھی۔ وہ اپنا نیا نظم تشکیل دیں اور اپنے خیالات کے مطابق کام کریں۔ چنانچہ میں نے جس طرح اس وقت SSQ اور TINA دونوں نام ان کے حوالے کر دیئے تھے اب بھی IQW ان کے حوالے کرنے کو تیار ہوں ـــــ اور ان کے ساتھ میرا تعاون بھی ان شاء اللہ العزیز جس حد تک وہ چاہیں گے انہیں حاصل رہے گا۔ لیکن وہ TINA کی قلب ماہیت اور اسے رجعت قہقری کے ذریعے ''جماعت'' سے گرا کر ''انجمن'' کی سطح پر لانے کی کوشش ترک کر دیں! ـــــ نَصَرَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاهُمْ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى!! ـــــ وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین!

ویسے میرے نزدیک اسلام کی حقیقی دعوت کے لئے امریکہ میں حالات جتنے اس وقت سازگار ہیں اس سے قبل کبھی نہیں تھے۔ ضرورت صرف اصحاب ہمت اور اربابِ عزیمت کی ہے۔ ورنہ کیفیت واقعی وہی ہے جس کا نقشہ اقبال نے اس شعر میں کھینچا ہے

کہ ؎ ''موسم اچھا' پانی وافر' مٹی بھی زرخیز۔ جس نے پھر بھی کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان!'' ـــــ اس لئے کہ اوّلاً: وہاں کے مسلمان امیگرنٹس جو پہلے امریکہ کی جنت ارضی میں اپنے آپ کو بہت محفوظ اور secure محسوس کرتے تھے' اب بری طرح متزلزل ہو گئے ہیں۔ اور اب جو فضا وہاں قائم ہو گئی ہے اس میں غیر قانونی طور پر مقیم لوگوں کے لئے تو وہاں سے ''فرار'' کے سوا کوئی چارہ کار ہے ہی نہیں۔ چنانچہ واپسی کا سیلاب شروع ہو چکا ہے' اور اس کا سب سے بڑا مقیاس یہ ہے کہ پاکستان میں Real estate کی قیمتیں ایک دم بڑھ گئی ہیں ـــــ البتہ قانونی طور پر مقیم لوگوں کو عام طور پر بھی وہاں سے بھاگنا نہیں چاہئے۔ اور اس ضمن میں اس فرمان نبویؐ پر قیاس کی ضرورت ہے جس کی رو سے کسی مقام پر وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے نقل مکانی درست نہیں ہے ـــــ البتہ جو لوگ وہاں ''دعوتِ دین'' کے لئے کمر کس کر مقیم رہیں وہ تو بہت ہی تہنیت اور مبارکباد کے مستحق ہیں! ـــــ (یا پھر وہ لوگ تہنیت اور مبارک باد کے مستحق ہوں گے جو پاکستان اس عزم کے ساتھ واپس آئیں کہ تن من دھن یہاں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے وقف کر دیں گے!)

اس ضمن میں خاص طور پر عرب ممالک سے آمدہ امیگرنٹس سے بڑے پیمانے پر رابطے کی ضرورت ہے۔ میں نے ۱۹۸۰ء میں جو تقریر اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے کنونشن منعقدہ نیاگرا میں کی تھی جس میں ''پندرہویں صدی ہجری: توقعات اور اندیشے'' کے سلسلے میں کہا تھا کہ امت مسلمہ پر ابھی عذاب الٰہی کے مزید اور شدید تر کوڑے برسنے والے ہیں جن میں سب سے بڑا حصہ اُمت عرب کو ملے گا'' ـــــ وہ حالات اب سب کے سامنے ہیں۔ (چند سال قبل میں نے یہی بات سانتا کلارا میں جمعہ کے بڑے اجتماع سے خطاب کے دوران کہی تو وہاں کے عرب بھائی بہت ناراض ہوئے تھے' لیکن اب حال ہی میں وہاں کے ایک رفیقِ تنظیم پاکستان آئے تو انہوں نے بتایا کہ اب وہی حضرات تسلیم کر رہے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے درست کہا تھا!)

امریکہ میں دعوتِ دین واقعتہً دعوتِ ''دین'' ہونی چاہئے۔ اور اس سے میری

مراد یہ ہے کہ دین کہتے ہیں نظام کو ـــــ لہٰذا زیادہ زور اسلام کے نظام عدل اجتماعی پر ہونا چاہئے' جس کے ضمن میں خاص طور پر Multi-nationals اور Globalization کے خلاف شدید ردعمل خود وہاں موجود ہے ـــــ! دوسری جانب حضرت مسیح علیہ السلام کی شخصیت کے ضمن میں قرآن حکیم کے بیانات اور احادیث نبویہؐ میں وارد شدہ نزول مسیحؑ (یعنی Second Coming of Jesus) کی اشاعت بڑے پیمانے پر ہونی چاہئے۔ اور میرا کتابچہ "To Christians with Love!" بھی شائع کیا جانا چاہئے!

اس کے علاوہ آج سے آٹھ دس سال قبل واشنگٹن ایریا کے ایک اچھے بڑے اجتماع میں اپنے خطاب کے اختتام پر جو motto یا slogan میں نے دیا تھا اب اس کو عام کرنے کی ضرورت ہے' یعنی:

"YES! WE ARE FUNDAMENTALISTS, BUT NOT TERRORISTS"

اور اس کی بھی شدید ضرورت ہے کہ اسامہ ابن لادن اور کسی واقعی یا موہومہ تنظیم القاعدہ سے اظہارِ براءت کیا جائے ـــــ اس کے ضمن میں یاد ہوگا کہ عالم اسلام کی تحریکوں میں بھی جب مسلح مزاحمت اور تشدد اور توڑ پھوڑ یا قتل و غارت کے رجحانات پیدا ہوئے ـــــ اور بعض جگہوں پر ballot کا راستہ رک جانے پر bullet کا راستہ اپنایا گیا تو اسے میں نے ہمیشہ غلط بلکہ مُضر اور counter-productive قرار دیا ـــــ اب اس نقطۂ نظر کی زیادہ اشاعت کی ضرورت ہے!

اور اگر وہاں اس دعوتِ دین کے ضمن میں سختیاں یا قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں تو انہیں خوش دلی کے ساتھ خوش آمدید کہنا چاہئے ـــــ کہ ﴿هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ (الاحزاب) ـــــ کیا عجب کہ اس سلسلے میں تفتیش (interrogation) کو بھی اللہ تعالیٰ وہاں ہمارے فکر کی اشاعت اور مقتدر حلقوں تک پہنچنے کا ذریعہ بنا دے! اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو!

خاکسار **اسرار احمد** عفی عنہ

پس نوشت..... جولائی ۲۰۰۳ء

کئی سال سے تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کے رفقاء کے مابین ایک بحث چل رہی تھی کہ آیا اس کا تعلق مرکزی تنظیم اسلامی کے ساتھ' جس کا دفتر پاکستان میں ہے' حسب سابق قائم رکھا جائے یا اسے ایک آزاد یا کم از کم نیم خود مختار (Autonomous) تنظیم کی حیثیت دے دی جائے ـــــ اس بحث کا اصل محرک میں خود ہی تھا۔ اس لئے کہ میں محسوس کرتا تھا کہ ذرائع رسل و رسائل کی تمام تر ترقیوں کے باوجود پاکستان سے T.I.N.A. کے امور کی نگرانی ممکن نہیں ہے ـــــ دوسرے یہ کہ امریکن خواہ مقامی ہوں خواہ ''مہاجر'' ہوں' اسے ایک پاکستانی تنظیم سمجھتے ہیں' جس سے اس کا حلقہ محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس کی دعوت مقامی امریکنوں اور عرب مہاجروں تک نہیں پہنچ رہی۔ مزید برآں میرے سالانہ اسفار کا ایک منفی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بعض رفقاء یہ سمجھنے لگے ہیں کہ توسیع دعوت تو صرف میرا ہی کام ہے ـــــ ان کا کام تو بس اجتماعات کی حاضری وغیرہ کی خانہ پری کرنا ہے ـــــ بنابریں میری خواہش تھی کہ اس ضمن میں آخری فیصلہ کر ہی لیا جائے ـــــ لیکن ہر بار سالانہ اجتماع میں رفقاء کی غالباً مجھ سے ذاتی محبت اور تعلق خاطر کے باعث غالب اکثریت کے ساتھ فیصلہ برعکس گویا STATUS QUO برقرار رکھنے کے حق میں ہوتا رہا اور مجھے خاموش ہونا پڑا۔

اب ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے افسوس ناک واقعے کے بعد میری امریکہ آمد و رفت کا مسئلہ بھی مشکل بلکہ شاید ناممکن ہو گیا ہے۔ (میرا چار سالہ ویزا گزشتہ سال جون جولائی میں ختم ہو رہا تھا۔ چنانچہ میں نے ویزا کے لئے درخواست جولائی میں داخل کر دی تھی۔ لیکن پورے آٹھ ماہ تک اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ چنانچہ میں نے اپنا پاسپورٹ واپس منگوالیا' اس لئے کہ مجھے بنگلہ دیش جانے کے لئے وہاں کا ویزا لینا تھا۔ البتہ یہ غنیمت ہے کہ اس پر REJECTION کی مہر نہیں لگی!) ادھر تنظیم اسلامی کی مرکزی

مجلس شوریٰ میں اس امر پر بحث ہوئی تو اس نے بالاتفاق یہ طے کر دیا کہ اس مسئلے کا TINA کے سینئر حضرات سے مشورہ کرنے کے بعد میں خود ہی کوئی آخری فیصلہ کرلوں' جو ۳۰ رجون سے قبل ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ اب رفقاءِ تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کی بیعت میرے نامزد کردہ امیر برادرم مصطفیٰ الترک کے ہاتھ پر ہو گی۔ اگرچہ خود ان کی بیعت عالمی تنظیم اسلامی کے نئے امیر حافظ عاکف سعید صاحب کے ساتھ رہے گی! —— تو اگرچہ اس پر T.I.N.A. کے بعض محترم رفقاء کے کچھ تحفظات بھی میرے علم میں آئے' تاہم میرا حتمی فیصلہ یہی ہے —— البتہ مستقبل میں حالات کی کسی تبدیلی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس میں آگے کی جانب مزید پیش رفت —— یا واپس پسپائی کی کوئی صورت اختیار کی جاسکتی ہے۔ اس ضمن میں میرا آخری اور قطعی فیصلہ جس پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے' حسب ذیل ہے:

احمدہ واصلی علی رسولہ الکریم

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ..... بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی (وقلمی) یفقھوا قولی!

اللھم الھمنی رشدی واعذنی من شرور نفسی۔ آمین!

امّا بعد!

میں اللہ پر توکل اور اس کی نصرت و تائید کے بھروسے پر تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ (ٹینا) کے ضمن میں حسب ذیل فیصلوں کا اعلان کرتا ہوں!

۱) ''ٹینا'' کا نصب العین' مقاصد اور نہج حسب سابق ہی رہیں گے۔

۲) اس کی ہیئت تنظیمی بھی حسب سابق ''بیعت سمع و طاعت (فی المعروف)'' کی منصوص' مسنون اور ماثور اساس پر قائم رہے گی۔

۳) لیکن آئندہ یہ بیعت امیر ٹینا ہی کے ہاتھ پر ہو گی۔

۴) میں نے کچھ عرصہ قبل امیر ٹینا کی حیثیت سے برادرم مصطفیٰ الترک کو دو سال کے لئے نامزد کیا تھا۔ اس کے بعد وہ لاہور آئے اور ان سے گفتگو اور تبادلہ خیال کے

بعد مجھے اپنے فیصلے پر مزید انشراح واطمینان حاصل ہوا۔ اب میں انہیں تاحیات امیر ''ٹینا'' کی حیثیت سے نامزد کرتا ہوں۔ چنانچہ یکم جولائی ۲۰۰۳ء کے بعد صرف وہ رفقاء تنظیم میں شامل رہیں گے/ ہوں گے جو برادرم مصطفیٰ الترک سے بیعت کرلیں!

۵) البتہ انہوں نے لاہور میں جو بیعت موجودہ امیر تنظیم اسلامی عزیزم حافظ عاکف سعید صاحب سے کی تھی وہ برقرار رہے گی اور یہی واحد تعلق عالمی تنظیم اسلامی کے مرکز واقع لاہور (پاکستان) اور ''ٹینا'' کے مابین رہے گا۔

۶) امید ہے کہ برادرم مصطفیٰ الترک اس بیعت کے تقاضوں کو کماحقہا ادا کریں گے' جس کا ایک مظہر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر ''ٹینا'' کے رفقاء یہ شکایت کریں کہ ان کا امیر تنظیم کے فکر یا منہج سے انحراف کر رہا ہے یا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی معصیت کا حکم دے رہا ہے اور امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کو یہ شکایات درست معلوم ہوں تو وہ انہیں معزول کر کے رفقاء کے مشورے سے کسی دوسرے شخص کو امیر ''ٹینا'' نامزد کرسکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا فرداً فرداً اور تنظیم اسلامی کا بحیثیت جماعت حامی وناصر ہو۔ آمین..... یارب العالمین!

المحتاج الی مغفرۃ الرّب ورحمتہ

(ڈاکٹر اسرار احمد)
داعی وبانیٔ تنظیم اسلامی

توثیق از مرکزی مجلس عاملہ
وامیر تنظیم اسلامی

دستخط حافظ عاکف سعید

خاتونِ خانہ کی محنت کا معاوضہ.....؟

تحریر: محمد عطاء اللہ صدیقی

آزادیٔ نسواں کی علمبردار مغرب زدہ بیگمات کی طرف سے بعض ایسے مطالبات پیش کئے جارہے ہیں کہ اگر ان کو تسلیم کرلیا جائے تو ان کا یقینی نتیجہ عورتوں کی تکریم میں اضافے کی بجائے ان کی تحقیر کی صورت میں سامنے آئے گا۔ گزشتہ چند برسوں سے مغربی خواتین کے اتباع میں ہمارے ہاں کی این جی اوز کی ''گردش خیال'' بیگمات خاتونِ خانہ کی محنت کے معاوضہ کے مسئلہ کو بہت اچھال رہی ہیں۔ گزشتہ دنوں یہی موضوع سیمینارز کے علاوہ اخبارات کی زینت بھی بنا رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''خاتونِ خانہ'' کو اس کے تمام دن کی محنت کا معاوضہ دیا جائے یا کم از کم اس کی اس بلا معاوضہ شبانہ روز محنت کا اعتراف ہی کرلیا جائے جسے وہ اپنا صلہ تسلیم کرلے گی''۔ یہ مطالبہ جس قدر لغو ہے' اتنا نامعقول بھی ہے۔ کوئی بھی معقول گھریلو خاتون اپنے بارے میں اس حقارت آمیز تصور کو تسلیم نہیں کرے گی۔ کوئی بھی خاتون ''گھر کی ملکہ'' کے قابل احترام مقام سے اپنے آپ کو ''گھریلو خادمہ'' کے درجہ تک گرانے کی اجازت نہیں دے گی۔ بے حد افسوس کا مقام ہے کہ بعض مغربی تہذیب کی دلدادہ پاکستانی بیگمات گھریلو ماحول کے تقدس اور ایک فیکٹری کے ماحول کی تاجرانہ مادّہ پرستی میں کوئی فرق مراتب قائم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ان کی سوچ سطحی جذباتیت پر مبنی ہے' ان کی فکر حقیقت پسندی اور معروضیت سے قطعاً عاری ہے۔ ایک خاتون کالم نگار مسرت لغاری صاحبہ نے ۱۷ر فروری کے ''نوائے وقت'' میں اس حساس موضوع پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے' اس سے اتفاق کرنا مشکل ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

''میرے خیال میں وہ معمولی مزدور ایک عورت کی نسبت بدرجہا بہتر ہے جو کسی

مالک مکان سے مزدوری کے لئے چند گھنٹوں کا معاہدہ کرتا ہے' اینٹوں پتھروں سے گھر بناتا ہے اور شام کو معاوضہ لے کر گھر چلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس عورت جو ایک شخص کے ساتھ شرعی معاہدے میں بندھی ہوتی ہے' اس کے اندر دن رات محنت مزدوری کرتی ہے' اینٹوں روڑوں کے بجائے اپنے خون پسینے سے گھر بناتی ہے' بچوں کی پیدائش و پرورش اور تعلیم و تربیت کے اہم ترین مراحل سے گزرتی ہے' اس کی ان تمام قربانیوں کو نظر انداز کر کے اندھے کنوئیں میں ڈال دیا جاتا ہے۔''

وہ مزید لکھتی ہیں:

''کیا یہ ظلم نہیں ہے کہ وہی عورت اگر ساتھ کے گھر میں جا کر برتن مانجھے' مزدوری کرے تو اسے اس کی مزدوری مل جائے اور یہ کام وہ اپنے گھر میں کرے تو اسے نہ صرف یہ کہ معاوضہ نہ ملے' بلکہ شوہر سے دشنام وصول ہو۔''

مسرت لغاری صاحبہ اور ان کی ہم خیال بیگماتِ جدیدہ اگر تھوڑی دیر کے لئے اس جذباتی استدلال کو بھول جائیں تو ان کی خدمت میں چند معروضات پیش کرنے کو جی چاہتا ہے:

۱) ایک گھر کا نظم و نسق چلانا شوہر اور بیوی کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اس مشترکہ ذمہ داری میں سخت ترین کام یعنی نان و نفقہ کی ذمہ داری مَرد پر عائد ہوتی ہے۔ خاتونِ خانہ کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مرد کی کمائی کو خاندان کی اجتماعی فلاح' جسمانی ضروریات اور اولاد کی تعلیم و تربیت پر احسن طریقے سے خرچ کرے۔ ان دونوں میں سے کوئی ایک اگر اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طریقے سے انجام نہ دے تو گھر کا نظم و نسق اور اجتماعی نقشہ بری طرح متاثر ہوگا۔

۲) چند استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر' عام مشاہدہ یہ ہے کہ مرد عام طور پر اپنی کمائی کا بیشتر حصہ یا بعض صورتوں میں تمام کی تمام کمائی اپنی بیوی کے حوالہ کر دیتا ہے جسے وہ گھریلو ضروریات پر خرچ کرتی ہے۔ باورچی خانہ' ملبوسات' تعلیم و تربیت اور دیگر بنیادی ضروریات کی تکمیل مرد کی اسی آمدنی سے کی جاتی ہے۔ ان سارے

اخراجات کو پورا کرنے کے بعد بھی اگر اضافی آمدنی ہو تو محبت کرنے والے شوہر اپنے اہلِ خانہ پر کھلے دل سے خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ نجانے ان حقائق کو جذبات کی رو میں کیوں نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

۳) کوئی بیوی گھریلو کام یا اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت نہ اس خیال سے کرتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی ''تنخواہ دار ملازم'' ہے اور نہ ہی کوئی شوہر اپنی کمائی اپنی بیوی کے حوالے اس نیت سے کرتا ہے کہ وہ اسے اس کی گھریلو خدمات کا ''معاوضہ'' سمجھتا ہے۔ میاں بیوی کے تعلق کو ایک مالک اور مزدور کے تعلق سے مشابہ قرار دینا بذاتِ خود ایک مکروہ اور لغو سوچ ہے۔ رشتوں کے یہ دونوں دائرے اس قدر مختلف ہیں کہ ان کا آپس میں موازنہ غیر منطقی اور غیر حقیقت پسندانہ ہے۔

۴) خانگی امور سے متعلقہ ذمہ داریوں پر غور کیا جائے تو مرد کی ذمہ داریاں بدرجہا مشقت طلب ہیں۔ عورت کا گھریلو ذمہ داریاں نبھانا مشکل امر سہی، لیکن اس کا موازنہ اگر مرد کی بیرونِ خانہ محنت مزدوری سے کیا جائے تو یہ ہر لحاظ سے سہل ہیں۔ گھریلو کام کو ''اینٹوں اور روڑوں'' سے تشبیہہ دینا بڑا آسان ہے، اگر کسی عورت کو عملاً یہ کام کرنے پڑ جائیں، تو ان کے لئے یہ ایک عذاب سے کم نہیں ہے۔

۵) مغرب زدہ بیگمات کے اس بھونڈے استدلال کو قابل لحاظ مان لیا جائے تو پھر باورچی خانہ اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے ''معاوضہ'' تک ہی اس مسئلے کو محدود کیوں رکھا جائے؟ آج ایک مزدور کو عام عورت سے ''بدرجہا بہتر'' قرار دینے والی عورتیں کل کلاں اسے ایک طوائف سے بھی ''بدتر'' قرار دے سکتی ہیں۔ وہ یہ استدلال بھی لا سکتی ہیں کہ جب ایک طوائف کو اس کی ''خدمت'' کا معاوضہ دیا جاتا ہے تو پھر ایک بیوی سے صنفی مواصلت کا معاوضہ ادا کیوں نہ کیا جائے؟

۶) تحریکِ نسواں کی علمبردار عورتوں کے استدلال کی بنیادی خامی یہ ہے کہ وہ خاندانی زندگی کے صرف منفی پہلو پر نگاہ رکھتی ہیں، اس کے مثبت پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہیں۔ ان کے نقطۂ نظر کی دوسری خامی یہ ہے کہ وہ مرد اور عورت کے مابین

تعلق کے متعلق over generalization یعنی غیر ضروری تعمیمات قائم کر لیتی ہیں۔ اگر ہمارے ہاں بعض گھرانوں کی کچھ عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کیا جاتا تو وہ فرض کر لیتی ہیں کہ تمام عورتوں کی حالت قابلِ رحم ہے۔ تحریکِ آزادیٔ نسواں کے جذباتی لٹریچر نے انہیں اس قدر مشتعل (charged) کر دیا ہے کہ ان کی سوچ جذباتی ہیجان خیزی کے دائرے میں داخل ہو گئی ہے۔

آج سے دو سو سال پہلے میری وولسٹن کرافٹ نے حقوقِ نسواں کے موضوع پر لکھی جانے والی اپنی کتاب میں مرد و زن کی عدم مساوات اور خواتین کی مظلومیت کی جو جذباتی تصویر کشی کی تھی' آزادیٔ نسواں کی علمبردار عورتوں کی تحریروں میں آج بھی وہی جذباتیت جھلکتی ہے' حالانکہ آج عورتوں کو معاشرے میں جو مقام و مرتبہ حاصل ہے سو سال پہلے کی حالت سے اس کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس بنیادی فرق کو یہ جذباتی خواتین یکسر نظر انداز کر دیتی ہیں۔ لاہور جیسے شہر میں جہاں کے تعلیمی ادارے' گلی' محلے' بازار' پارک اور ہوٹل عورتوں کی وسیع پیمانے پر آزادی اور چلت پھرت کے ناقابل تردید مقامات ہیں' وہاں بیٹھ کر حقوقِ نسواں کے موضوع پر جذباتی کالم لکھنا بے حد عجیب لگتا ہے۔ لاہور میں تو عورتیں گھریلو زندگی پر اس قدر غالب نظر آتی ہیں کہ یہاں ''تحریکِ آزادیٔ مرداں'' شروع کرنے کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ انڈیا میں یہ تحریک پہلے ہی شروع کی جا چکی ہے۔

۷) مسرت لغاری صاحبہ جیسی خواتین سے ہماری گزارش یہ ہے کہ وہ جذباتی رنگ آمیزی کے شوق میں حقائق کو نظر انداز نہ کریں۔ کیا کوئی معقول شخص مسرت لغاری کی اس بات پر یقین کرے گا کہ:

> ''بہت سی تعلیم یافتہ ملازم خواتین جو دفتر اور گھر کی دوہری مزدوری کے دوہرے جبر تلے زندگی گزار رہی ہیں اور انہیں 'اُف' تک کرنے کی اجازت نہیں ہے' بلکہ شوہر کے گھر آنے پر اسے روتی آنکھوں کے ساتھ مسکرانے کا حکم بھی ہے''۔

نجانے یہ ''روتی آنکھوں کے ساتھ مسکرانے کا حکم'' بجالانے والی مجبور و بے بس ملازم خواتین کس گلے محلے میں رہتی ہیں؟ ہمارے معاشرے میں ایک بھی ملازم پیشہ خاتون ایسی نہیں ہے جسے اس ''ذلت'' سے گزرنا پڑتا ہو' مگر خاتون کالم نگار اس طرح کی جذباتی تصویریں کھینچنے پر مصر ہیں۔ عام مشاہدہ تو یہ ہے کہ ملازم پیشہ خواتین کا اپنے شوہروں سے برتاؤ باغیانہ' تحکمانہ اور بعض صورتوں میں بدتمیزانہ ہوتا ہے۔ راقم الحروف کی رہائش کے آس پاس کم از کم بیس خواتین ملازم پیشہ ہیں' ان کی اکثریت کا اپنے شوہروں سے سلوک بے حد ''حاکمانہ'' ہے۔ شوہروں کے خلاف زبان درازی ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ ان کے شوہر واقعی مظلوم ہیں۔ ایک خاتون لیکچرر جو سرکاری مکان میں رہتی ہیں' اپنے میاں سے ہر ماہ باقاعدگی سے کرایہ وصول کرتی ہیں۔ آخر ان عریاں حقائق کی موجودگی میں عورتوں کی خود ساختہ مظلومیت کا رونا روتے رہنا کہاں کی معقولیت ہے؟

مسرت لغاری صاحبہ نے اپنے کالم میں یہ ثابت کرنے کی کاوش کی ہے کہ چونکہ ہماری عدالتوں میں زیادہ تر مرد ہی جج ہیں' لہٰذا مردوں کی عدالتوں سے عورتوں کو انصاف مہیا نہیں کیا جاسکتا۔ مرد کے بارے میں وہ لکھتی ہیں:

> ''قانون اس کا ہے' عدالتیں اس کی ہیں' انصاف اس کا ہے' اولاد اس کی ہے' جائیداد اس کی' نام اس کا' سارا کام اس کا ہے' بلکہ پورا معاشرہ ہی اسی کا ہے''۔

وہ عورتوں سے مزعومہ ناانصافی کا ذکر ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> ''ایسے اذیت ناک حالات میں عورت کس کے پاس دادرسی کے لئے جاسکتی ہے؟ وہ طلاق' خلع' جائیداد کا مسئلہ اگر عدالت میں لے جاتی ہے تو وہاں مجرم اور وکیل میں پہلے ہی سے سمجھوتہ رسوا ہو چکا ہوتا ہے' یوں اس کا مقدمہ ایک مردانہ عدالت سے لے کر دوسری مردانہ عدالت میں جا کر ختم ہو جاتا ہے اور ایسا اس لئے ہوتا ہے کیونکہ اسے انسان نہیں محض عورت سمجھا جاتا ہے''۔

جدید تحریک نسواں کے اہم ترین اہداف میں سے ایک یہ ہے کہ خاندان کے موجودہ ڈھانچے کو تبدیل کیا جائے۔ ان کے خیال میں خاندانی ادارہ عورتوں کے

استحصال میں آلہ کار رہا ہے۔ تحریک نسواں پر لکھنے والا شاید ہی کوئی مصنف یا مصنفہ ایسی ہو جس نے خاندانی نظام' نکاح اور شادی وغیرہ کو شدید تنقید کا نشانہ نہ بنایا ہو۔ دفتروں اور فیکٹریوں کی ملازمتوں کے مقابلے میں خاتونِ خانہ کا کردار انہیں ہمیشہ گھٹیا اور حقیر نظر آتا ہے۔ اسی لئے اس تحریک کے لٹریچر میں گھریلو زندگی سے بغاوت کی بھرپور تبلیغ ملتی ہے۔ زندگی کے ہر دائرے میں مرد و زن کی غیر فطری مساوات کا قیام ان کا نصب العین ہے۔ یورپ کی تحریکِ آزادیٔ نسواں اپنے فکر و عمل کے اعتبار سے ''آوارگیٔ نسواں'' کا روپ دھار چکی ہے۔ یہ تحریک بیسویں صدی کا عظیم ترین فتنہ ہے جس نے عالمی سطح پر خاندانی نظام کی تباہی میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب میں دانشور طبقہ خاندانی اقدار کی بحالی پر زور دے رہا ہے' مگر ہمارے ہاں خاندانی نظام کو عدمِ استحکام کا شکار کرنے کی جدوجہد روز بروز تیزی پکڑ رہی ہے۔ عورتوں کے حقوق کے نام پر ایسے ایسے مطالبات پیش کئے جا رہے ہیں جو اسلامی تعلیمات اور ہماری سماجی اَقدار سے براہِ راست متصادم ہیں۔ اگر عورتوں کے حقوق کی جدوجہد کو اسلامی تعلیمات کے دائرے تک محدود نہ رکھا گیا تو ہمارے ہاں بھی خاندانی نظام کو تباہی سے بچانا مشکل ہو جائے گا۔ oo

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن **ڈاکٹر اسرار احمد**
کی ایک اہم تالیف
عہد حاضر میں اسلامی ریاست اور معیشت
کے چند بنیادی مسائل
صفحات 96 ' قیمت 40
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

دنیائے اسلام

ازبکستان

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

اُزبکستان: ایک نظر میں

سرکاری نام: اُزبکستان ری پبلک
صدر: اسلام اے کریموف (۱۹۹۰ء)
وزیراعظم: اوکر سلطانوف (۱۹۹۵ء)
رقبہ: چار لاکھ ۴۷ ہزار ۴۰۰ مربع کلومیٹر
آبادی: دو کروڑ ۵۶ لاکھ
سالانہ شرح افزائش: ۱.۵۷ فی صد
شرح پیدائش: ۲۶.۴ فی ہزار
شرح اموات اطفال: ۷۱.۶ فی ہزار
گنجائی آبادی: ۱۴۰ فی مربع میل
دارالحکومت: تاشقند
زبانیں: اُزبک ۷۴.۳ فیصد' رُوسی ۴.۲ فیصد' تاجک ۴.۴ فیصد'
نسلیں: اُزبک ۸۰ فیصد' رُوسی ۵.۵ فیصد' تاجک ۵ فی صد' قازق ۳ فیصد' کالپک ۲.۵ فیصد' تاتار ۱.۵ فیصد' دیگر ۲.۵ فیصد
مذاہب: مسلمان ۸۸ فیصد' زیادہ تر سُنّی' عیسائی ۹ فیصد
شرح خواندگی: ۹۷ فیصد
کل قومی آمدنی: ۶۰ ارب ڈالر سالانہ
فی کس آمدنی: ۲۵۰۰ ڈالر سالانہ
شرح افزائش: ۲.۴ فی صد
افراطِ زر: ۵۵ فیصد
بے روزگاری: ۵ فیصد سے زیادہ
قابل کاشت رقبہ: ۹ فیصد
اہل محنت: ۸۰ لاکھ ۶۰ ہزار
زراعت: ۴۴ فی صد
صنعت وحرفت: ۲۰ فی صد
قدرتی وسائل: قدرتی گیس' پٹرولیم' کوئلہ' سونا' یورینیم' چاندی' تانبا' سرمہ' جست
برآمدات: کل مالیت ۳.۸ ارب ڈالر
کپاس' سوتی کپڑا' سونا' کیمیکل' کھاد' بناسپتی گھی
درآمدات: کل مالیت ۴.۷ ارب ڈالر
مشینری اور پرزہ جات' اشیائے صَرف' غلہ اور دوسری خوراک
اہم تجارتی ساتھی: رُوس' یوکرین' یورپی ممالک' امریکہ' چیکوسلاواکیہ

عام طور پر دنیائے اسلام کے نقشے پر نظر دوڑاتے وقت ہم مشرق میں انڈونیشیا سے لے کر لبنان تک' مراکش سے ڈھاکہ تک اور افریقہ میں اُوپر مصر سے نیچے موزمبیق تک پرواز تخیل کو محدود رکھتے ہیں۔ مشرق بعید' مشرق قریب' مشرق وسطیٰ' افریقہ' عربستان' جنوبی ایشیا' سب علاقوں کو اپنی نگاہوں میں سمو لیتے ہیں لیکن وسطِ ایشیا کے چالیس لاکھ مربع کلومیٹر میں آباد سات کروڑ مسلمانوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں' جو کوہِ قفقاز کے ماوراء چیچنیا' داغستان اور خود رُوس کے اندرونی علاقوں میں اور ازبکستان' تاجکستان' ترکمانستان' قازقستان اور کرغزستان میں آباد ہیں اور تین صدیوں سے کفر و الحاد کے آتشیں کنویں میں جھلتے رہے ہیں۔ اب اس جہنم سے باہر کھلی ہوا میں آئے ہیں تو بے شک ان کے ظواہر پر کفر و الحاد کی کئی تہیں جمی ہوئی ہیں لیکن اُن کے باطن میں روحِ اسلام اس طرح راسخ اور مستحکم ہے جیسے کھنکھنا تانا بانا۔

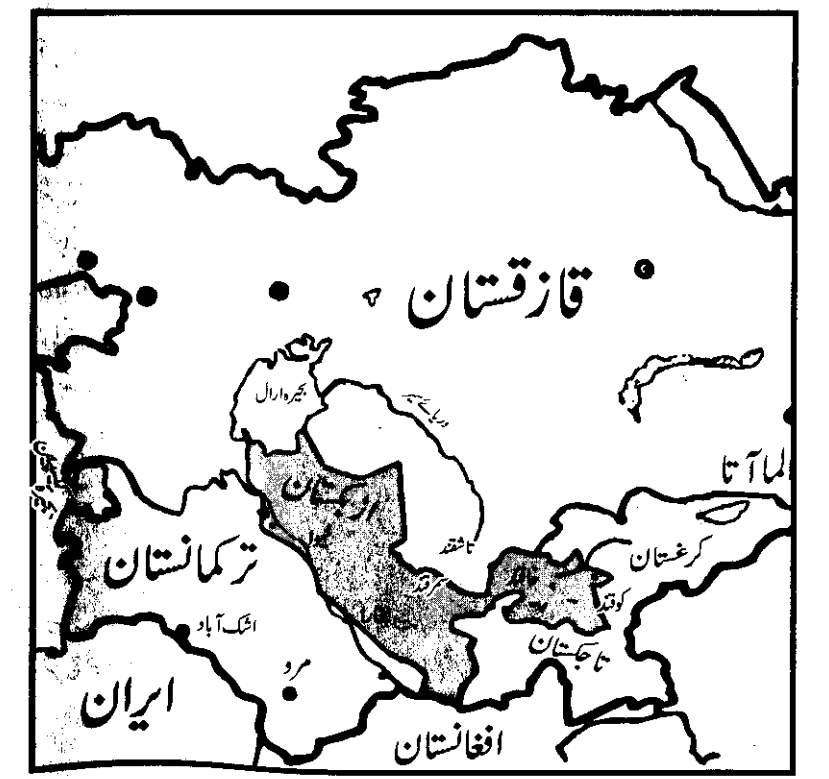

تاریخی پس منظر

بالکل ابتدا میں یہ علاقہ سلطنت فارس میں شامل تھا۔ ۳۲۹ قبل مسیح میں سکندر اعظم نے ایرانیوں کو شکست دے کر اسے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ ایشیا کے عین وسط میں اسلام کا پرچم پہلی مرتبہ بنو اُمیہ کے عہد میں ہندوستان میں محمد بن قاسم کی آمد سے کوئی چالیس سال قبل' ۶۷۳ء میں لہرایا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عبداللہ بن زیاد خراسان کے گورنر تھے۔ عبداللہ بن زیاد نے ترکستان کی جانب اسلام کی دعوت و تبلیغ کا رُخ پھیرا۔ ایک سال کے اندر اندر بخارا' دامنی' بیقند اور آس پاس کے علاقے کے ترک قبائل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اگلے برس ۶۷۴ء میں خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سعید بن عثمان خراسان کے گورنر مقرر ہوئے۔ انہوں نے بھی وسط ایشیا میں اسلامی اشاعت کی مہم جاری رکھی اور دریائے جیحوں کے پار تک کا علاقہ اسلامی قلمرو میں شامل کر لیا۔

۶۸۰ء میں مسلم بن زیاد کو خراسان کا گورنر مقرر کیا گیا۔ انہوں نے اس علاقے کا مشہور تجارتی شہر خیوا (خوارزم) فتح کیا۔ ان کے بعد اُموی خلیفہ یزید بن عبدالملک (۷۱۹ء) اور ہشام بن عبدالملک (۷۲۳ء) کے عہدِ حکومت میں بھی وسط ایشیا میں اسلام کا پھیلاؤ جاری رہا۔ ہشام کی تخت نشینی کے وقت عمر بن ہبیرہ عراق کے گورنر تھے۔ ہشام نے خالد بن عبداللہ کو عراق کا اور مسلم بن سعید کو خراسان کا گورنر مقرر کیا۔ مسلم بن سعید کے بعد ابن عبداللہ سلمی خراسان کے گورنر مامور ہوئے۔ اُن کے عہد میں قتیبہ بن مسلم نے ۷۴۲ء میں پورے وسط ایشیا کو فتح کر لیا۔

ترکستان (یعنی پورے وسط ایشیا) کی فتح اور تسلط کے بعد یہ علاقہ اسلام کا گہوارہ بن گیا۔ علوم و فنون کا سرچشمہ پورے زور و شور کے ساتھ بہنے لگا اور ہمسایہ ملکوں کے لوگ اس سے فیض حاصل کرنے کے لئے جوق در جوق بخارا اور سمرقند آنے لگے۔ مقامی تہذیب و تمدن اسلامی تہذیب و تمدن کے رنگ میں رنگ کر سونا بن گیا۔ اسلام کے نظریۂ توحید نے نہ صرف آریائی بلکہ آتش پرستوں کے باطل مذاہب کے عقائد و رسوم کو ختم کر دیا' بلکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کی کایا پلٹ دی۔

دسویں صدی عیسوی میں سمندی خاندان کی حکومت ختم ہوئی اور غزنویوں کو عروج حاصل ہوا۔ محمود غزنوی اسی خاندان کے آسمان کا تابندہ ستارہ تھا۔ نویں صدی سے تیرھویں صدی تک سلجوقی ترکوں کو عروج حاصل ہوا۔ اُن کی فتوحات کا دائرہ رُوس اور چین کے اندر تک پھیلتا چلا گیا۔ جنوب میں ہندوستان اور مغرب میں بحیرۂ روم تک اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ خوارزم شاہی عہد میں اس علاقے کو' بلکہ پوری دنیائے اسلام کو منگولوں کی تباہ کن یلغار کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۲۲۱ء میں چنگیز خان نے سمرقند و بخارا کو تہہ و بالا کر دیا۔ ایک بھی کوچہ' ایک بھی گلی سلامت نہ رہی۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے اس سیلاب کو ناگہانی کو روکنے کی بہت کوشش کی' لیکن ناکام رہا۔ (ترکستان اس علاقے کا پرانا نام تھا۔ خیوہ یعنی خوارزم اس کا مرکز تھا۔ اسی نسبت سے یہاں کے بادشاہوں کا لقب خوارزم شاہ تھا)۔

تیرھویں صدی کے آخر تک منگول حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ جن لوگوں نے بغداد و دمشق اور سمرقند و بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجائی تھی' اُنہی کے بیٹوں نے تاج محل' آگرہ' جامع مسجد دہلی' بادشاہی مسجد لاہور اور شالامار باغ جیسی یگانہ روزگار عمارات بنوائیں اور اسلام کی ترقی و سربلندی کے لئے بعض ایسی گراں قدر خدمات انجام دیں کہ رہتی دنیا تک تاریخ عالم کے صفحات پر سنہری حروف میں منقش رہیں گی۔

۱۳۸۰ء تا ۱۴۰۵ء امیر تیمور کا دورِ حکومت ترکستان کا عہد زرین کہلاتا ہے۔ تیمور نے اپنی وسیع الشان سلطنت کا دارالحکومت سمرقند کو بنایا۔ اس کے عہد میں اسلام روحانی' ثقافتی اور تمدنی زندگی کے معراج کمال پر پہنچ چکا تھا۔ سلطان طغرل نے بحیرۂ رُوم کے اردگرد کے علاقے میں اور سلطان بابر نے ہندوستان میں اسلامی حکومتیں قائم کیں۔ اس عہد میں بوعلی سینا' فارابی' البیرونی' امام بخاری' رازی' نوائی اور بے شمار دوسرے عظیم علمی و ادبی مشاہیر نے دنیائے علم و ادب کو مالا مال کیا۔

امیر تیمور کے جانشینوں کے عہد حکومت میں اِس بڑی سلطنت کی وسعت درجہ بدرجہ کم ہونے لگی اور پندرھویں صدی کے اواخر میں اس کا شیرازہ منتشر ہونے لگا۔ اِن سارے ہنگامہ خیز واقعات میں سمرقند' بخارا اور تاشقند جو چین' ہندوستان' ایران اور یورپ کی تجارتی شاہراہوں پر واقع تھے' خوشحالی' تہذیب و تمدن اور عیش و عشرت کے مرکز بنے رہے۔

سولہویں صدی کے اوائل میں ازبکوں نے شمال مغرب کی طرف سے اس علاقے پر حملے شروع کر دیئے۔ یہ ترک قبائل ایک شخص ازبک کو (چودھویں صدی) اپنا مورث اعلیٰ بتاتے تھے' جس کی نسبت سے اُن کا نام بھی ازبک پڑ گیا تھا۔ سولہویں صدی کے آخر تک ازبک سردار عبداللہ نے اپنی قلمرو کی حدود ایران' افغانستان اور چینی ترکستان تک وسیع کر لیں' لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد یہ سلطنت متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہو گئی' جن میں سے خیوا' خوقند اور بخارا کی ریاستیں خاص اہمیت کی حامل تھیں۔

ان چھوٹی چھوٹی مگر مستحکم و مضبوط تین مسلم ریاستوں کو رُوس کے زار حکمرانوں نے ۱۸۶۵ء اور ۱۸۷۶ء کی درمیانی مدت میں فتح کر لیا۔ خوقند کو تو براہ راست رُوسی سلطنت کا حصہ بنا لیا گیا' لیکن خیوا اور بخارا کو مقامی امیروں کے تحت رُوس کی باج گزار ریاستوں کی حیثیت سے ۱۹۲۰ء تک برقرار رکھا۔ اس کے بعد کمیونسٹوں نے' جن کو اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد پورے رُوس پر تسلط حاصل ہو گیا تھا' پورے ترکستان پر قبضہ کر لیا۔

رُوسیوں کے ہاتھوں ملک ترکستان کی تسخیر سے اسلامی تاریخ کا وہ گیارہ سو سالہ عہد ختم ہو گیا جس کا آغاز پہلی صدی ہجری میں اُموی فاتح قتیبہ بن مسلم کی فتح سے ہوا تھا۔ ہنگری کے مستشرق پروفیسر ویمبری نے جو رُوسی فوج کی فتح کے بعد ترکستان گئے تھے' رُوسی تسلط کا ذکر اپنی کتاب ''تاریخ

بخارا'' میں کیا ہے جس کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''جس وقت سمرقند پر رُوسی جھنڈا پہلی مرتبہ لہرایا تھا' اُس وقت یہ پرانا اور دُور افتادہ ملک نئی دنیا اور نئے خیالات کی راہ پر قدم زن ہوا۔ ایسے ایسے شہر اور ایسی ایسی بستیاں' جو یورپ والوں کو معلوم تک نہ تھیں' اب اُن کے سامنے آ گئیں..... تاشقند میں گرجے اور کلب بن گئے ہیں۔ اسی طرح خوقند اور سمرقند میں بھی۔ تاشقند میں ایک اخبار بھی ہے۔ مؤذن کی اذاں آواز میں یونانی گرجے کے گھنٹے لطف پیدا کرتے ہیں اور عیسائی گھنٹوں کی یہ آواز مسلمانوں کو توپ کی آواز سے بھی بری لگتی ہے۔ ان مقامات پر جہاں چند سال پہلے راقم الحروف مسلمانوں کی دُعا پڑھتا ہوا باہر نکلتا تھا' اب وہاں پادری' عیسائی سپاہی اور تاجر فاتحانہ انداز میں اکڑ اکڑ کر بخارا کی گلیوں میں پھرتے ہیں۔ تیمور کے شاندار محل میں رُوسی شفاخانہ اور مال گودام قائم کئے گئے ہیں۔ اس محل میں گزشتہ زمانے میں ایشیا کے تمام ملکوں کے سفیر شرفِ باریابی حاصل کرتے تھے' تحفے تحائف لاتے تھے' جہاں اسپین کے عالی دماغ بادشاہ نے سفیر بھیجا اور عاجزی سے دوستی کی خواہش کی' جہاں تورانیوں کے وُرثا اس نیک مقصد کے لئے آتے تھے کہ ''نیلے پتھر'' پر ماتھا رگڑیں جو تیمور کے تخت کا زیریں حصہ تھا..... یہ اہم واقعہ کہ وسط ایشیا میں رُوسی فتح مند ہوئے' اسلام پر ایسی کاری ضرب ہے کہ ایک ہزار سال کے عرصے میں ایسی ضرب نہیں لگی۔ مکہ کے بعد بخارا اسلام کا رُوحانی مرکز بن گیا تھا' سلطنت عثمانیہ' مصر اور مراکش تک کے مسلمان تعلیم حاصل کرنے کے لئے یہاں آتے تھے' جس کی وجہ سے وہ (اہلِ بخارا) اسلام کے اس قدر فریفتہ ہو گئے تھے۔ دنیائے اسلام کے مسلمانوں کے دل میں اس بات کا بہت قلق ہو گا کہ یہ مقدس سرزمین کفار کے قدموں سے ناپاک ہو گئی۔ اسلام کے اس بڑے ستون کے گرنے سے جو گرد اُڑی ہے' وہ سیاہ بادل کی طرح' اگر ہمیشہ کے لئے نہیں' تو بہت عرصے تک اسلام کے مستقبل پر چھائی رہے گی۔''

یہ حقیقت ہے کہ ترکستان پر رُوسیوں کا قبضہ تاریخ اسلام کے سخت ترین المیوں میں سے ہے۔ اُندلس کے المیے سے زیادہ دل خراش اور ہندوستان پر برطانوی سامراج کے تسلط سے زیادہ بھیانک' سقوطِ مشرقی پاکستان سے زیادہ تکلیف دہ!

ترکستان کے پانچ حصے

کمیونسٹ حکومت نے ''پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو'' کی پالیسی اختیار کی' جس سے رہا سہا شیرازہ بھی بکھر گیا۔ وہ متحدہ ملک جو اسلام کے عہد زریں میں ایک ہزار ایک سو سال تک مسلسل دنیا کی روحانی' تمدنی' ثقافتی اور سیاسی قوتوں کا مرکز بنا رہا تھا' وہ ملک جس کا نام ترکستان تھا' دنیا کے نقشے سے غائب ہو گیا۔ ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کی کمیونسٹ اقتدار کی پالیسی نے ایک ملک کو پانچ ٹکڑوں میں تقسیم کر کے اپنے سامراجی اقتدار کی جڑیں مضبوط کر لیں۔ سوویت رُوس نے ایک قوم کو پانچ قوموں میں اور ایک ملک کو پانچ ملکوں میں تقسیم کر دیا۔ اُن کے سیاسی اقتدار' ان کی حکومت' مذہبی عقائد و عبادات'

تہذیب و تمدن' ادبیات و علوم' حتیٰ کہ تاریخ کو بھی ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ اشتراکیت کی زبردست پروپیگنڈا مشینری کے ذریعے ان میں یہ گمراہ کن خبر پھیلا کر انہیں باور کرا دیا گیا کہ وہ ہمیشہ سے الگ الگ قوم تھے' ان کے ملک الگ تھے' ایک قوم کا ایک ملک تھا۔ چنانچہ اب بھی اُن کی تہذیب' زبان' لباس' معاشرت' رہن سہن کے طریقے غرضیکہ ہر چیز ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ تم ازبک ہو' تم تاجک ہو' تم قازق ہو' تم ترکمان ہو اور تم کرغیز ہو۔ مسلمان نہیں ہو' کیونکہ مسلمانی ایک افیون ہے۔ سوویت رُوس کے سیاسی عزائم میں ان پانچ وسط ایشیائی مسلم ریاستوں کا ون یونٹ سدِ راہ تھا۔ اس وحدت کو علاقائی یا قومی آزادی کی نیلم پری کا لالچ دے کر ختم کر دیا گیا۔

رُوسیوں کے خلاف مزاحمتی جنگ کے دوران میں رُوسی کمیونسٹوں نے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے قبائلی عصبیت کو خوب ہوا دی۔ انہوں نے اُزبک کو تاجک کے خلاف' کرغیز کو قازق کے' قازق کو کرغیز کے خلاف ابھارا۔ اُزبکوں سے کہا: ''تاجک تم پر حکمرانی کر رہے ہیں' وہ تم پر ظلم کر رہے ہیں' ہمارا ساتھ دو' تمہیں آزادی حاصل ہوگی' ہم تمہاری الگ حکومت قائم کر دیں گے''۔ تاجکوں سے کہا: ''ترکمانوں کو تم پر حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں' ہمارا ساتھ دو' تمہیں ترکمانوں سے نجات دلا دیں گے''۔ کرغیزوں سے کہا: ''تمہاری چراگاہوں پر قازقوں کو اپنی بھیڑیں چرانے کا کیا حق پہنچتا ہے؟ ہمارا ساتھ دو' ان مرغزاروں پر تمہارے سوا کسی کو بھیڑیں چرانے نہیں دیا جائے گا''۔ اور اس طرح کمیونسٹوں نے ایک دوسرے کو لڑایا۔

اکتوبر ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب کے وقت وسط ایشیا کے مسلمانوں نے بھی زارِ رُوس کی حکومت سے آزادی کا اعلان کیا اور کمیونسٹوں کا ساتھ دیا' لیکن کمیونسٹوں کی سرخ فوج نے اگلے ہی برس ۱۹۱۸ء میں اپنے وعدے وعید فراموش کر کے جمہوریہ ترکستان کو تباہ و برباد کر کے' اپنے مفتوحہ سرخ رُوس میں شامل کر لیا۔ لیکن مسلمانوں نے اس نئی حکومت کو قبول نہیں کیا اور آزادی کی تحریکیں پوری قوت سے چلائیں۔ مسلمانوں نے زارِ رُوس کی طرح اشتراکی رُوس کے پنجے سے بھی نجات حاصل کرنے کی بار بار کوشش کی' لیکن خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

تکمیل انقلاب کے کئی سال بعد ۶/ جولائی ۱۹۲۳ء کو ماسکو میں رُوس کی بالشویک پارٹی کی سنٹرل کمیٹی نے ''رُوسی وفاقی سوویت سوشلسٹ ری پبلک'' کا آئین منظور کیا۔ اس آئین کے تحت ماسکو کو ان تمام علاقوں میں خود بخود اور براہِ راست اقتدار حاصل ہو گیا جو زارِ رُوس کے محکوم تھے۔ اس آئین کے تحت مسلمانوں کا ''ون یونٹ'' توڑنے اور ان کی آزادی کی تحریکوں کو ختم کرنے کے لئے ترکستان کو پانچ قومی جمہوریتوں میں تقسیم کر دیا گیا' یعنی:

(۱) اُزبکستان (۲) تاجکستان (۳) ترکمانستان (۴) قازقستان (۵) کرغیزستان

اشتراکیت اور اسلام کی ٹکر

اکتوبر ۱۹۱۷ء کے اشتراکی انقلاب میں رُوس میں زارشاہی کے خاتمے کا خیر مقدم ترکستان کے علاوہ رُوس سے باہر کے مسلم ملکوں میں بھی ہوا' اس خیال سے کہ اب ترکستان کے مسلمانوں کو دوبارہ آزادی کی فضا میں سانس لینے کا موقع ملے گا' لیکن اُن کی یہ غلط فہمی جلد ہی دور ہوگئی۔ اشتراکی انقلاب نے رُوس کے مقبوضات اور دوسرے ملکوں کے عوام کو غلام بنانے کی پالیسی کا خاتمہ کرنے کی بجائے اسے ایک نئی شکل دے دی بلکہ اس میں مزید شدت پیدا کر دی۔

زارِ رُوس بخارا اور خیوہ کے مسلمانوں کی تہذیب اور اداروں سے کوئی تعرض نہ کرتے تھے۔ اِس کی وجہ اُن کی رواداری نہ تھی' بلکہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے معاملات میں دخل دینے سے ترکی' افغانستان' ایران' ہندوستان اور خود ترکستان کے مسلمانوں کے مشتعل ہو جانے کا قوی امکان تھا' لیکن تاشقند کا معاملہ دوسرا تھا۔ تاشقند سائبیریا ریلوے لائن کا اہم مرکز تھا۔ رُوسی ریلوے ملازمین کی خاصی تعداد یہاں موجود تھی۔ کمیونسٹوں کی ایک جماعت یہاں خاص طور پر بھیجی گئی تھی' تاکہ مزدوروں کی ٹریڈ یونین بنائی جائے اور مسلمانوں میں کمیونزم کا پرچار کیا جائے۔ تاشقند ترکستان کے رُوسی گورنر جنرل کا ہیڈ کوارٹر بھی تھا۔

مسلمان سیاسی اعتبار سے خواہ کیسا بھی نقطۂ نظر اختیار کرے' لیکن مذہبی لحاظ سے وہ توحید' وحی' رسالت اور آخرت کا ماننے والا ہوتا ہے اور الحاد و کفر کا طبعاً مخالف ہوتا ہے۔ اشتراکیت کے رہنما لینن اور سٹالن مسلمانوں کے ان جذبات و خیالات سے پوری طرح آگاہ تھے۔ چنانچہ زارشاہی کا تختہ اُلٹنے کے چند روز بعد ہی انہوں نے نہایت عیارانہ چال چلی۔ انہوں نے مسلمانوں کے نام ایک مشترکہ اپیل جاری کی' جس کے الفاظ یہ تھے:

رُوس اور مشرق کے مسلمانوں کے نام اپیل

''اہلِ زمین کو لوٹنے والوں اور غلام بنانے والوں کی حکومت ختم ہونے کے قریب ہے۔ ایک نئی دنیا پیدا ہو رہی ہے' ایک ایسی دنیا جو مزدوروں اور آزاد لوگوں کی دنیا ہوگی۔ رُوس کے تمام مسلمانوں' والگا اور کریمیا کے تاتاریوں' ترکستان کے اُزبکوں' تاجکوں اور کرغزیوں' ماورائے قاف کے ترکوں اور چیچنیا کے قبائل' ان تمام لوگوں سے جن کی مسجدیں مسمار کی گئیں' جن کے عقائد اور رسوم و رواج کو رُوس کے زاروں اور ظالموں نے اپنے پاؤں تلے روندا تھا' یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ اب تمہارے عقائد اور رسم و رواج' تمہارے قومی و ثقافتی ادارے آزاد اور واجب التعظیم ہیں۔ آزادی اور اپنی قومی زندگی کی تعمیر کرو۔ تمہیں ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔''

لینن اور اسٹالن کی اِس اپیل کے بعد بخارا اور خیوہ کے امیروں نے (ان ریاستوں کے حکمران امیر کہلاتے تھے) رُوس کی غلامی کی زنجیروں کو توڑ دیا اور ان علاقوں کے مسلمانوں کی آزادی کا اعلان

کر دیا۔ اعلانِ آزادی نے ''تحریکِ جدید'' کی صفوں میں انتشار پیدا کر دیا۔ ''تحریکِ جدید'' بخارا کے اُزبکوں کی اصلاحی' غیر سیاسی اور ثقافتی تحریک تھی۔ لیکن کمیونسٹ اس تحریک میں شامل ہو گئے اور اسے اصلاح سے گھسیٹ کر سیاست میں لے آئے۔ انہوں نے ترکستان کی آزادی و خود مختاری کے حامیوں کو تحریک سے نکال باہر کیا اور اس طرح تحریک کو کمیونسٹ پارٹی بنا دیا گیا۔

شہر خوقند کی تباہی

بخارا کی کمیونسٹ پارٹی ابھی اتنی طاقتور نہ تھی کہ امیر کی حکومت کا خاتمہ کر کے وہاں اشتراکی حکومت قائم کر سکے' اس لئے انہوں نے تاشقند میں مقیم رُوسی مکیسار سے امداد کی درخواست کی۔ ابھی وہ بخارا پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر ہی رہے تھے کہ دسمبر ۱۹۱۷ء میں خوقند میں ''مسلم نمائندگان کی چوتھی کل ترکستان کانگریس'' نے ترکستان کے آزاد اور خود مختار جمہوریہ ہونے کا اعلان کر دیا اور قومی حکومت منتخب کرنے کا کام شروع کر دیا۔ ترکستان کے ہر شہر میں عظیم الشان جلوس نکالے گئے۔ سمرقند' بخارا اور دیہات تک میں قومی حکومت کے قیام پر جشن منایا گیا۔

جب یہ خبر تاشقند پہنچی جہاں رُوسی کمیونسٹوں کا قبضہ ہو چکا تھا' تو انہوں نے ہر اُس شخص پر جبر و تشدد شروع کر دیا جو خوقند کی مسلم قومی حکومت کا ہمدرد تھا۔ خوقند کے امیر نے اپنی ہمسایہ مسلم طاقتوں سے امداد کی درخواست کی' لیکن امیر بخارا تک نے کسی قسم کی امداد مہیا کرنے سے انکار کر دیا۔ جنوری ۱۹۱۸ء کے اوائل میں وادیٔ فرغانہ کی کئی وحدتوں نے خوقند کی حکومت کی سیادت تسلیم کر لی' لیکن چند روز کے بعد ہی تاشقند کی کمیونسٹ حکومت نے مسلح حملہ کر دیا۔ یکم فروری کی صبح کو سرخ فوج نے شہر پر گولہ باری شروع کر دی۔ خوقند کی حکومت دو روز بھی مقابلہ نہ کر سکی۔ ۵ فروری کو سرخ فوج خوقند میں داخل ہو گئی اور قتل و غارت گری اور لوٹ مار شروع کر دی۔ تین دن کی لوٹ مار کے بعد جب کچھ بھی باقی نہ رہا تو رُوسی فوج نے تیل چھڑک کر شہر کو آگ لگا دی اور جو بچے کھچے مسلمان ان کے ہاتھ آئے' انہیں بھی آگ میں جھونک دیا۔ ان انسانیت سوز مظالم کی تاب نہ لا کر مسلمانوں نے ۹ر فروری ۱۹۱۸ء کو تاشقند کی کمیونسٹ حکومت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

کمیونسٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے پیشِ نظر علمائے کرام میدان میں آئے اور انہوں نے سرخ فوج کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ خوقند میں کمیونسٹوں کے قلعے پر کئی ہزار مسلمانوں نے حملہ کیا۔ ان کے پاس آتشیں اسلحے کی بجائے صرف لاٹھیاں' ڈنڈے اور چاقو تھے۔ کمیونسٹوں کو ماسکو سے ہر قسم کا اسلحہ مل رہا تھا۔ انہوں نے جی کھول کر اسلحہ استعمال کیا اور ہزاروں مسلمانوں کو چند گھنٹوں میں شہید کر دیا۔ کرنل ایتھرٹن نے اپنی کتاب ''The Formation of the Soviet Union'' میں لکھا ہے:

''صرف شہر خوقند میں چودہ ہزار مسلمانوں کے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ مسجدوں اور زیارات

کی بے حرمتی کی گئی۔ عظیم الشان کتب خانے نذرِ آتش کر دیئے گئے۔ شہر کی ناکہ بندی کر کے غلے کی رسد بند کر دی گئی، جس سے ہزاروں شہری فاقہ کشی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ سرخ فوج نے اس وقت تک شہریوں کو خوراک بہم نہیں پہنچائی جب تک کہ انہوں نے ایمان اور ضمیر کے خلاف اپنے آپ کو ''بالشویک'' رجسٹر نہیں کرایا۔ قتلِ عام کے بعد اخبار ''پراودا'' نے بڑے طمطراق کے ساتھ قتلِ عام کے اعداد و شمار شائع کئے۔ باطل حق پر غالب آ گیا۔ سبز ہلالی پرچم کی جگہ خوقند شہر پر خونِ مسلم میں ڈوبا ہوا سرخ پرچم لہرانے لگا۔''

بخارا کی بربادی

سقوطِ خوقند کے بعد سرخ فوج نے اب بخارا کا رُخ کیا۔ شہر کا محاصرہ کر لیا اور امیر بخارا سعید امیر علیم خان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی ریاست میں نیا آئین نافذ کرے اور بالشویک پارٹی کے کارکنوں کو حکومت کے کلیدی عہدوں پر فائز کیا جائے۔ اِن مطالبات کی منظوری کے لئے سرخ فوج نے صرف ۲۴ گھنٹے کی مہلت دی۔ ابھی ۲۴ گھنٹے پورے نہ ہوئے تھے کہ بخارا کے نہتے مسلمانوں نے سرخ فوج پر زبردست حملہ کر دیا۔ انسان میں یہ جذبہ اُسی وقت پیدا ہوتا ہے جب اسے اس بات کا ایمان کی حد تک یقین ہو جاتا ہے کہ اس کے مذہب اور اُس کی تہذیب کو مٹایا جا رہا ہے۔ تب وہ اپنے تحفظ کے لئے ''جنونی'' اور ''بنیاد پرست'' ہو جاتا ہے۔ اس حملے میں سرخ فوج کو شکست ہوئی، لیکن انہوں نے ماسکو سے تازہ دم فوج اور جدید اسلحہ بھاری مقدار میں آنے کے بعد جب دوسرا حملہ کیا تو سرخ فوج نے بخارا اور مسلمانوں کے محلوں کو برباد کر دیا۔ بخارا کے ساتھ ہی خیوہ (خوارزم) پر بھی سرخ فوج کا قبضہ ہو گیا۔

انور پاشا: ایک انقلابی رہنما

یہی موقع تھا جب انور پاشا منظر پر اُبھرے۔ پہلی جنگ عظیم میں ترکیہ کی شکست اور مصطفیٰ کمال پاشا کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد تین ممتاز لیڈروں یعنی طلعت پاشا، جمال پاشا اور انور پاشا کو اناطولیہ کے سبزہ زاروں کو خیر باد کہنا پڑا۔ جمال پاشا افغانستان اور انور پاشا رُوس چلے آئے۔ کمیونسٹوں نے انور پاشا کی شہرت اور مسلمانوں میں ان کی مقبولیت کو اشتراکیت کے پرچار کے لئے استعمال کرنا چاہا۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں باکو میں منعقدہ پیپلز کانگریس میں تقریر کرتے ہوئے انور پاشا نے کمیونسٹوں کے نظریات و خیالات سے مکمل اتفاق کیا اور امید ظاہر کی کہ ایک دن آئے گا جب دنیا کے محکوم و مظلوم عوام دیکھیں گے کہ ان کی فلاح اور نجات اشتراکی انقلاب میں مضمر ہے۔

لیکن جلد ہی انور پاشا پر، جو اتحاد المسلمین کے علم بردار اور اسلام کی عظمت کے پرستار تھے، اشتراکیت کے پروپیگنڈے کے جادو کا بھرم کھل گیا۔ وہ کمیونسٹوں سے بدظن ہو گئے۔ رُوس کی خفیہ پولیس ان کے مذہبی خیالات سے غافل نہ تھی۔ چنانچہ عین اُس وقت جبکہ انور پاشا واپس ترکیہ جانے

کی تیاری کر رہے تھے' خفیہ پولیس نے انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا' لیکن چند روز بعد ہی کمیونسٹوں نے انہیں بخارا میں سرگرم دیکھا۔

ہندوستان' ایران' مصر اور افغانستان کی طرح ترکستان میں بھی انور پاشا کی مقبولیت عروج پر تھی۔ اوّل اس لئے کہ وہ مسلمان تھے' دوم اس لئے کہ وہ ترک تھے' تیسرے اس لئے کہ وہ ملتِ اسلامیہ کے اتحاد کے قائل تھے۔ ترکستان میں بخارا کی نئی قائم شدہ ''عوامی جمہوریہ'' میں ان کا شاندار خیر مقدم کیا گیا اور حکومت نے اُن سے ''قومی سرخ فوج'' منظم کرنے کی درخواست کی' لیکن انور پاشا نے ایسی فوج کو سیاسی حکمت عملی کے خلاف سمجھا۔ انور پاشا کرغان ٹیپی روانہ ہو گئے جو باسمچی تحریک (مسلح بغاوت) کا گڑھ تھا۔ بخارا کا وزیر جنگ خانسوف اُن کے ہمراہ تھا۔ انور پاشا نے اس تحریک کی قیادت سنبھال لی۔ انور پاشا کی للکار نے مسلمانوں کے تاریک اور مایوس دلوں میں امید کی ایک نئی جوت جگا دی۔ انور پاشا نے دنیائے اسلام کو متحد ہونے کی دعوت دی۔ ان کا نعرہ تھا ''دنیا بھر کے مسلمانو! ایک ہو جاؤ۔'' ۵/اپریل ۱۹۲۲ء کو سمرقند میں ''قومی ترک اسلامی جمہوریہ'' قائم ہوئی جس کے صدر اور کمانڈر انچیف انور پاشا تھے۔ انہوں نے بخارا میں مقیم سوویت رُوس کے نمائندے کو ایک پیغام بھیجا' جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ ''ترکستان سے تمام رُوسی فوج واپس بلائی جائے اور ترکستان کی آزادی کو تسلیم کیا جائے''۔

سوویت رُوس کی کمیونسٹ حکومت نے اس مطالبے کے برعکس عمل کیا۔ انور پاشا اور مسلمانوں کے خلاف عام پروپیگنڈے کے ساتھ ساتھ فوجی کمک بھیجی گئی۔ بعض ساتھی ابراہیم بیگ اور فیض اللہ سرخ فوج سے مل گئے اور انور پاشا تنہا میدان میں رہ گئے۔ انور پاشا نے حوصلہ نہ ہارا۔ پسپا ہوتے ہوتے افغانستان کی سرحد تک پیچھے ہٹ گئے۔ ۴/اگست ۱۹۲۲ء کو ہولنگ کے مقام پر سرخ فوج (ریڈ آرمی) اور انور پاشا کے دستے کے درمیان دست بدست لڑائی ہوئی۔ جب لڑائی ختم ہوئی تو سرخ فوج نے دیکھا کہ انور پاشا کا سینہ گولیوں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کو کمیونزم کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے' ترکستان (اُزبکستان) کی آزادی کا علم بردار' اسلام کا مایۂ ناز فرزند اپنی جان کا نذرانہ پیش کر چکا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلام کے خلاف اشتراکیت کے حملے

کمیونسٹوں کو برسر اقتدار آنے کے لئے اور برسر اقتدار آنے کے بعد جس سب سے بڑی رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا' وہ مذہب تھا۔ مارکس اور انجلز نے یہ خطرہ پہلے ہی بھانپ لیا تھا' اس لئے ضروری تھا کہ لوگوں کو پہلے مذہب سے بیگانہ کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے تاریخی جدلیت کے مادی نظریئے کی وضاحت کرتے ہوئے کئی ایسے بیانات جاری کئے جو روحِ مذہب کے خلاف تھے۔ مثلاً انہوں نے کہا: ''مذہب کے خلاف عملی جدوجہد کا اشتراکی فکر کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ مذہب بورژوا

طبقے کا ایک قدیم حربہ ہے جس کو یہ طبقہ عوام کی توجہ طبقہ وارانہ کشمکش سے ہٹا کر ان کے ذہن معطل کر دینے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ مذہب کے خلاف جدوجہد کرنا ہماری جماعت کا اہم ترین فرض ہے' جسے نہ نظر انداز کیا جا سکتا ہے نہ ملتوی کیا جا سکتا ہے۔''

اس کے بعد کمیونسٹوں کا نعرہ بن گیا: ''مذہب کو زمین اور خدا کو آسمان سے نکال دو''۔ لینن نے کہا: ''مذہب عوام کے لئے افیون ہے''۔ اس نے اقتدار کی باگ ڈور سنبھالتے ہی مذہب کو جڑ سے اکھاڑنا شروع کیا۔ اس نے اسلام کے خلاف جو مہم چلائی' اس میں دہشت گردی اور جبر و تشدد کو نمایاں جگہ دی گئی۔ اسلام کے اثر و نفوذ اور مقبولیت کو ختم کرنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا گیا۔ پیغمبر اسلام ﷺ' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مشہور بزرگانِ دین کے خلاف بے سروپا باتیں کر کے عام آدمیوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ جب ساری تدبیریں ناکام ہو گئیں تو ۱۹۲۹ء میں تاشقند میں علمائے دین' مفکرین' دانشوروں اور ہزاروں مسلمانوں کو پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا گیا۔ ہزاروں کو جلاوطن کر کے سائبیریا بھیج دیا گیا۔ کچھ جان بچا کر ہمسایہ اسلامی ملکوں میں چلے آئے۔ جو باقی بچے' وہ مجبوراً کمیونسٹوں سے مل گئے۔ اس طرح وسیع و عریض وسط ایشیائی علاقے میں' جہاں کی ۹۰ فیصد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے' اشتراکیت کے قدم مضبوط ہو گئے۔

کمیونسٹوں کے برسر اقتدار آنے سے پہلے ترکستان میں ہزاروں مساجد تھیں۔ صرف بخارا شہر میں ۲۵۰ مسجدیں تھیں۔ اعلیٰ تعلیم کے ۱۵۰ مدارس تھے' جہاں مشرق میں چین سے' مغرب میں قفقاز سے' شمال میں سائبیریا' والگا' باشکیریہ اور کریمیا سے' اور جنوب میں افغانستان' ہندو پاک اور ایران وغیرہ سے ہزاروں طلبہ حدیث' فقہ اور تفسیر کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے بڑے ذوق و شوق سے آتے تھے۔ تاتاریہ' باشکیریہ اور شمالی قفقاز میں دس ہزار مساجد اور نو ہزار مدارس تھے۔ لیکن سرخ سویرے کے طلوع ہوتے ہی مسجدوں کو ناچ گھروں' نائٹ کلبوں' سنیما گھروں' عجائب خانوں' شادی ہال' گوداموں اور بعض دوسری تفریح گاہوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ تاشقند کی جامع مسجد میں وسط ایشیا کی کمیونسٹ پارٹی کا مرکزی دفتر بنا لیا گیا۔ مسجدوں اور مدرسوں کی دیواروں پر کمیونسٹ پارٹی کے نعرے کندہ کئے گئے۔ مسجدوں کے اندر بڑے بڑے پوسٹر آویزاں کئے گئے جن میں اشتراکیت کی پبلسٹی اور نمازیوں اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی تذلیل کی گئی۔ سمرقند کی جامع مسجد کا فلک بوس مینار منہدم کر دیا گیا اور اس کی جگہ لینن کا ایک مجسمہ نصب کیا گیا' جس پر یہ عبارت کندہ کرائی گئی:

''اب یہاں سے مؤذن غریب اور بے چارے بندگانِ خدا کو نماز کی دعوت نہیں دے گا۔ اب یہاں سے لینن کا نام پکارا جائے گا۔''

۱۹۳۹ء میں ایک حکم نامے کے ذریعے مذہبی تقاریب (بشمول نماز) میں حصہ لینے والوں کو کام نہ کرنے والے نکھٹو عناصر قرار دیا گیا۔ رُوسی قانون کے مطابق نکھٹو کو ووٹ دینے کا حق نہیں تھا۔ جس

شخص کو رائے دینے کا حق حاصل نہ تھا' اس پر بھاری ٹیکس لگائے جاتے۔ اس طرح علماء اور مولویوں پر ان کی برداشت سے زیادہ ٹیکس لگائے گئے۔

خفیہ پولیس کے خفیہ سیاسی شعبے نے ''جبری اقبالِ جرم'' کا سلسلہ جاری کیا۔ اقبالِ جرم کا مقصد ملزم سے یہ اعلان کرانا تھا: ''اسلام عوام کے لئے ایک دھوکا ہے' اس لئے میں نے اسلام سے توبہ کر لی ہے اور عہد کرتا ہوں کہ آئندہ اسلام پر نہ تو عمل کروں گا اور نہ ہی اس پر یقین رکھوں گا''۔ ہر ملا' امام' قاری' حافظ' مولوی اور پڑھے لکھے شخص کو اس اعلان پر دستخط کرنے کے لئے ایک کاپی دی گئی' لیکن کمیونسٹوں کو معلوم ہو گیا کہ جبر و تشدد سے سترہ سال کے اشتراکی راج میں بھی مسلمانوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا' اگرچہ اخبارات میں جعلی توبہ نامے نمایاں طور پر شائع کرائے جاتے تھے۔

اماموں' مولویوں' معلمین اور ملاؤں کی کثیر تعداد میں جلاوطنی سے مسجدیں ویران اور مدرسے سنسان ہو گئے۔ کمیونسٹ حکام نے اعلان کیا کہ چونکہ خالی مسجدیں اور ویران مدرسے بیکار پڑے ہیں' اب قوم کو ان کی ضرورت نہیں ہے' لہٰذا اب وہ حکومت کی ملکیت میں ہیں اور حکومت جس طرح چاہے انہیں استعمال کر سکتی ہے۔ مساجد اور مدارس کے نام جو جائیدادیں وقف تھیں' انہیں اجتماعی فارموں کے حوالے کر دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ قرآن پاک اور دوسری دینی کتابوں کی بے حرمتی کی گئی اور انہیں برسرِ عام نذرِ آتش کر دیا گیا۔

لیکن مسلمانوں کے خلاف کوئی حربہ اور کوئی جبر و تشدد خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ کر سکا۔ سرورِ عالم ﷺ قریشِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر' چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے' لہٰذا بیسویں صدی کے کفار کے ظلم و ستم سے مجبور ہو کر مسلمان بھی مذہبی رسوم و تقریبات' نماز' روزہ' زکوٰۃ اور دوسرے فرائض خفیہ طور پر ادا کرنے لگے۔ اُدھر اشتراکی حکومت نے مزید سختی کرنے کے لئے رمضان میں روزے رکھنے' عید اور بقرعید منانے' عید میلاد النبیؐ کے موقع پر خوشی منانے اور محرم میں حضرت حسینؓ کی یاد منانے کی ممانعت کر دی۔ بخارا' سمرقند' خوقند' خیوہ' باکو اور دوسرے شہروں میں مخالف اسلام جماعت کے مراکز قائم کئے گئے۔ ان مراکز نے مسلمانوں' خاص طور پر نوجوانوں کو اسلام سے متنفر کرنے کے لئے زبردست مہم کا آغاز کیا۔ اشتراکیت کے مخالف ادیبوں اور شاعروں کو بے جھجک گولی کا نشانہ بنایا گیا اور اشتراکیت کے ہم نوا سرکاری ادیبوں اور شاعروں کی نظمیں اور مضامین سرکاری طور پر پھیلائے گئے۔ بطور مثال تاجک شاعر منور شوقی کی ایک طویل نظم کا ایک بند ملاحظہ کیجئے:

''اے ملا' اے مولوی' اے میرے مرشد
تم تو کہتے تھے' قرآن کے الفاظ دائمی ہیں
ہماری پری چہرہ دوشیزائیں کبھی حجاب نہ اُلٹیں گی
لو' قرآن کے الفاظ غلط ہو گئے

انہوں نے نقاب اتار کر پھینک دی
تم نے کہا تھا' مسجدیں خالی نہیں ہوں گی
اسلام ہمیشہ سربلند رہے گا
دیکھو وہ مٹ گیا
اے ملاّ' اب تو مجھے تیرے خیال سے گھن آتی ہے''

ایک اور کمیونسٹ شاعر ابوالقاسم لاہوتی کی نظم ذرا غور سے پڑھیے:

''آج ایک اسلامی تہوار ہے
جسے لوگ روزہ کہتے ہیں
ماضی میں یہ تہوار کیا تھا؟
گھر خالی اور کھیت سنسان ہو جاتے تھے
اور لوگوں کی بھیڑ تمام دن مسجدوں میں سربسجود پڑی رہتی تھی
اور اب اس روزے پر وقت کون ضائع کرے؟
یہ احمقوں کی سی عہدِ غلامی کی یادگار
منانے کا وقت کس کے پاس ہے
ہماری یونین ہمیں جنگ پر بلا رہی ہے''

یہ چند مثالیں بطور ''مشتے از خروارے'' پیش کی گئی ہیں' ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کمیونسٹوں نے اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔

جنگِ عظیم دوم

رُوس کے باہر کے حالات تیزی سے بدل رہے تھے۔ مغرب میں نازی جرمنی اور اطالوی فسطائی اور مشرق میں جاپان ابھر رہے تھے۔ دنیا تیزی سے دوسری عالمگیر جنگ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ان حالات میں رُوس نے مغرب میں جرمنی سے اور مشرق میں جاپان سے عدم جارحیت کے معاہدے کئے اور پھر ہٹلر سے مل کر پولینڈ کو ہڑپ کر لیا۔ ماسکو خوش تھا کہ مغرب آپس میں لڑ کر تباہ ہو جائے گا اور پھر سرخ فوج آسانی کے ساتھ اس پر قبضہ کر کے دنیا سے سرمایہ داری کا خاتمہ کر دے گی' لیکن ماسکو کی یہ خوش فہمی زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ ہٹلر نے ۲۲ر جون ۱۹۴۱ء کو رُوس پر بھی حملہ کر دیا اور اس طرح رُوس بھی دوسری عالمگیر جنگ کی لپیٹ میں آ گیا۔

اب رُوس کو اپنے محکوم ملکوں سے تعاون اور امداد کی ضرورت پیش آئی۔ اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کی تہذیب و زبان کا شیرازہ درہم برہم کرنے کی پالیسی کے پیشِ نظر رُوس کو یہ قطعی اُمید نہیں تھی اور اسے امید بھی نہیں رکھنی چاہئے تھی کہ رُوس کے محکوم مسلمان جنگ میں کمیونسٹ رُوس کی مدد

کریں گے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ مسلمانوں سے متعلق پالیسی میں فوری نرمی پیدا کر کے مسلمانوں کو جنگ کی بھٹی میں جھونکا جاتا۔ چنانچہ وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کی عملی امداد حاصل کرنے کے لئے سوویت رُوس کی پالیسی میں نرمی آ گئی۔

چنانچہ جن مولویٔ ملاؤں اور معلمین کو جلاوطن کر کے سائبیریا کے برفانی جہنم میں بھیجا گیا تھا' اُن میں سے جو باقی بچ گئے تھے' انہیں واپس بلایا گیا۔ جن لوگوں کو مذہب کے سبب قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا گیا تھا' انہیں جیل سے باہر نکالا گیا۔ مسجدوں کے میناروں سے اللہ اکبر کی صداؤں کو مجبوراً برداشت کیا جانے لگا۔ جس مسجد میں مسلمانوں کو نماز ادا کرنے کی اجازت دی جاتی' اُس کے پیش امام کا تقرر کمیونسٹ پارٹی کی سفارش پر کیا جاتا۔ یہ سرکاری پیش امام اپنے وعظ کا آغاز ''ہمارے کامریڈ اسٹالن کا اقبال بلند ہو'' کے الفاظ سے شروع کرتا اور ''سوویت حکومت' حکومتِ الٰہیہ ہے'' کے الفاظ پر ختم کرتا۔ ہر مسجد میں جوزف سٹالن کی تصویر آویزاں کی گئی۔ اسلام سے مزید محبت جتانے کے لئے سرکاری وظائف پر چند منتخب طلبہ کو جامعہ الازہر (قاہرہ) بھیجا گیا۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے سرخ انقلاب کے بعد پہلی مرتبہ مسلمانوں کو حج کی سعادت کی اجازت ملی' لیکن ''سرکاری منظوری'' کے لئے شرائط ایسی سخت رکھی گئیں کہ کوئی مسلمان کمیونسٹ حکومت کی مرضی کے بغیر حج ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ نہیں جا سکتا تھا۔

جنگ عظیم دوم سے حصولِ آزادی تک

دورانِ جنگ ایک ''مسلم روحانی بورڈ'' بھی (دکھاوے کے لئے) قائم کیا گیا تھا' جس کے صدر ایک مفتی صاحب تھے۔ بورڈ کا دفتر تاشقند میں تھا۔ اس بورڈ کا نظم و نسق عیسائی آرتھوڈوکس کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ اس کی شاخیں چند بڑے بڑے شہروں میں قائم کی گئیں۔ ان کے مولویوں کا تقرر مفتی صاحب کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی (ماسکو) کی منظوری سے کرتے تھے۔ اس مذہبی مجلس کے دائرہ کار میں وسط ایشیا کی اسلامی ریاستیں آتی تھیں (یعنی آذر بائیجان' اُزبکستان' تاجکستان' ترکمانستان' قازقستان اور کرغزستان)۔ لیکن بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور پھول بن کھلے مرجھا گئے' کیونکہ ۱۹۴۵ء میں جنگ ختم ہوتے ہی سٹالن صاحب نے اپنے مردِ آہن ہونے کا ثبوت دینے کے لئے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سخت تعذیب اور جبر و تشدد کا رویہ اختیار کیا۔ البتہ مسلم روحانی بورڈ کو وسط ایشیا میں مسلمانوں کو ضابطے میں رکھنے کے لئے حکومت نے بطور آلہ استعمال کیا۔ روحانی بورڈ اس لئے بھی قائم کیا گیا تھا' تاکہ بیرونی ملکوں کو یہ دکھایا جا سکے کہ رُوس میں مذہبی رواداری پر عمل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ تاشقند رُوس کی مذہبی پالیسی کا ''شوکیس'' بن گیا۔ بیرونی ملکوں' خصوصاً مسلم ملکوں پر یہ ثابت کرنا آسان ہو گیا کہ رُوس کا اشتراکی نظام مذہبی اُمور میں بھی دوسرے نظاموں سے برتر ہے' کیونکہ یہاں مذہبی امور کی انجام دہی ایک مرکزی مجلس کے ہاتھ میں ہے۔

تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف حکمتِ عملی جوزف سٹالن کی وفات (۱۹۵۳ء) کے بعد تک جاری رہی' لیکن برزنیف کے عہدِ صدارت (۱۹۶۴ء تا ۱۹۸۲ء) میں جب مذکورہ وسط ایشیائی مسلم ریاستوں پر سے ماسکو کا کنٹرول کم ہونا شروع ہوا تو قدرتاً مذہبی معاملات میں بھی ''نرم رویہ'' خود بخود سرکاری مجبوری بن گئی۔ زبردستی کے اس نئے نرم رویئے کے ماحول میں اُزبکستان کے بعض ماہرین عمرانیات نے مل جل کر اس امر پر غور کیا کہ اسلامی تعلیمات و احکامات (شریعت) کس حد تک نافذ العمل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے تحقیق کر کے ایسا مواد جمع و مرتب کر کے کتابچوں اور پمفلٹوں کی صورت میں شائع کرنا شروع کیا۔ اُزبکستان کے محقق طالب ایس سعید بایوف نے تو کمال جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلامی شریعت کے نفاذ کے موضوع پر ایک کتاب رُوسی زبان میں لکھی' اور چھپوائی بھی تو کہاں سے' عین حکومت کے استبدادی مرکز ماسکو سے۔ یہ واقعہ ۱۹۸۲ء کا ہے۔ اس کتاب میں دلائل اور اعداد و شمار کے ساتھ ثابت کیا گیا تھا کہ سوویت یونین میں شامل اسلامی علاقوں میں احیائے اسلام کا جذبہ نوجوانوں اور تعلیم یافتہ لوگوں میں بڑی تیزی اور شدت سے بڑھ رہا ہے۔ مسیحی علاقوں میں کمیونزم کے الحاد سے نکل کر عیسائیت کے احیاء کا ایسا کوئی جذبہ موجود نہیں ہے' جیسا مسلم علاقوں میں پیدا ہو چکا ہے۔ سعید بایوف نے اپنی اس اہم کتاب میں یہ بھی بتایا تھا کہ رُوسی اشتراکیت نے جو بزعم خویش انقلابی معاشرتی ڈھانچہ کھڑا کیا ہے' اس میں طبقاتی کشمکش اور قدیم قبائلی متعصبانہ وفاداریاں تو اب بھی قائم ہیں' اور دیرینہ روایات کی بوسیدگی اور کہنگی کو اشتراکیت کی انقلاب خیزی بھی نہیں مٹا سکی' اس لئے معاشرت کو مذہب کا پابند کرنے کی ضرورت کا احساس خود بخود اور خصوصاً نوجوان نسل میں بڑھتا چلا آ رہا ہے۔

اس نوعیت کے نئے طرزِ فکر کی حامل کتابوں اور کتابچوں کی اشاعت سے کمیونسٹ پارٹی میں ہلچل پیدا ہوئی۔ جن حکام کے فرائض منصبی میں یہ بات شامل تھی کہ وہ معاشرے میں جدلی مادیت پر مبنی لادینی افکار و نظریات کا نفوذ کریں' وہ بھی پریشان ہو گئے اور انہوں نے مرکزی حکومت کو اپنی خفیہ رپورٹوں میں متنبہ کرنا شروع کر دیا کہ وسط ایشیا کے مسلم خطوں' بالخصوص اُزبکستان میں اسلام کی ایک نئی لہر اٹھ رہی ہے۔ عوام میں اپنے قدیم قومی ورثے میں اسلام کا رنگ شامل کرنے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے' اور ان کے اثر و نفوذ کا یہ عالم ہے کہ اب بہت سے پختہ کمیونسٹوں کے خیالات میں بھی تغیر کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ اس نئی ''وبا'' پر فوراً قابو پانے کی سخت ضرورت ہے۔

اُزبکستان کے کمیونسٹ برسراقتدار طبقے میں کچھ تعلیم یافتہ' روشن خیال اور اعتدال پسند لوگ بھی موجود تھے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متشددانہ پالیسی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ لوگ بھی نئی سوچ میں شامل ہو گئے' لیکن انہوں نے یہ بھی چاہا کہ خود اسلام میں بھی بذریعہ اجتہاد اصلاحات کی ضرورت ہے' تاکہ اسے عصر حاضر کی ضرورتوں اور تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جا سکے۔ چنانچہ ''اسلامی

جدیدیت'' کی لہر بھی احیائے اسلام کی بڑی لہر کے ساتھ ساتھ چل پڑی۔ گزشتہ پچاس ساٹھ برسوں میں اسلام کی حقانیت کے خلاف جو الزامات عائد کئے گئے تھے اور پیغمبر اسلام ﷺ اور دیگر بزرگانِ دین کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی گئی تھی' ان کے بطلان میں مضامین لکھے جانے لگے۔ کمیونسٹوں کو مخاطب کر کے بتایا جانے لگا کہ حضرت محمد ﷺ تو بہت عظیم مصلح' جمہوریت نواز اور محسن انسانیت تھے۔ اسلام اور اشتراکیت میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ دونوں کے نظاموں میں زیادہ تر باتیں مشترک ہیں۔ ہاں' اسلام کو بھی جدیدیت کی ضرورت ہے۔ عورتوں کو جو حقوق اسلام نے از روئے شریعت دیئے ہیں' ان کو اب رُو بعمل لانے کی ضرورت ہے۔ حقوق العباد اور اہل وعیال کی ذمہ داریاں جو اسلام نے ہر مسلمان پر عائد کی ہیں' ان سے عہدہ برآ ہونے کی ضرورت ہے۔

میخائل گورباچوف کے عہد (۱۹۸۵ء تا ۱۹۹۱ء) میں جب پرسٹروکا (اصلاحات) اور گلاسنوسٹ (احتساب) کے نام پر ایک نیا سرکاری منشور اور لائحہ عمل دیا گیا تو اس کی ایک اہم شق یہ بھی تھی کہ سوویت یونین سے مذہب کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ مذہب ایک زہر ہے جو ایس ایس آر کی رگ رگ میں پھیل چکا ہے۔ اس زہر کو ایک بڑے آپریشن سے جسدِ معاشرت سے خارج کر دینا ہوگا۔ اصلاحات کے پروگرام کی اس شق پر سب سے زیادہ سختی اور شدت سے' بلکہ وحشیانہ طریق سے' عمل اُزبکستان میں کیا گیا۔ ۱۹۸۶ء میں گورباچوف نے تاشقند میں اسلام کے خلاف جلسۂ عام میں تند و تیز' زہریلی اور جوشیلی تقریر کی' جو اتنی زیادہ زہریلی تھی کہ اس تقریر کو کبھی اخبارات میں چھپنا نصیب نہ ہوا۔ اس کے دورے کے بعد اُزبکستان کی کمیونسٹ پارٹی سے اُن تمام ارکان کو بیک بنی و دو گوش نکال دیا گیا' جن کے بارے میں اسلامی تقریبات میں شریک ہونے یا اسلام دوست ہونے کا محض شبہ بھی تھا۔

ماضی میں جو تھوڑی بہت ''نرمی'' اختیار کی گئی تھی' اب مرکزی حکومت کو احساس ہو گیا تھا کہ یہ بہت بڑی غلطی تھی۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ جب مسلمانوں کے تنِ مردہ میں ہلکی سی آکسیجن ملنے پر انہیں اب تک زندہ ہونے کا احساس ہوا تو وہ مضطرب ہو کر ''اللہ اکبر'' کا ورد کرتے ہوئے بیدار ہو گئے۔ اب ایک بالکل نئی اور تعجب خیز بات یہ ہوئی کہ کمیونسٹ پارٹی کے ''اندر'' کے اسلام دوست عناصر اور عامۃ المسلمین کے درمیان ملی بھگت ہونے لگی' جس سے حکومت کی گرفت مزید ڈھیلی پڑنے لگی۔ فروری ۱۹۸۹ء میں تاشقند کے سرکاری مفتی شمس الدین بابا خان کے خلاف (جو ۱۹۴۳ء میں حکومت کے مقررہ مفتی اعظم کے پوتے تھے) عوامی مظاہرے ہوئے۔ اُن پر الزام یہ تھا کہ وہ شراب پیتے ہیں اور عورتوں سے ربط ضبط رکھتے ہیں۔ یہ الزام کمیونسٹ پارٹی کے ہم خیال دوستوں کی ترغیب پر عائد کیا گیا تھا کہ ثبوت اور شہادتیں وہی فراہم کر سکتے تھے۔ عوام کے احتجاجی مظاہرے اتنے شدید تھے کہ حکومت کو ان کا مطالبہ ماننا پڑا اور مفتی شمس الدین بابا خان کو سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیا گیا' لیکن اس

کے ساتھ ہی جون ۱۹۸۹ء میں حکومت نے اُزبکستان کی کمیونسٹ پارٹی کا سربراہ ایک ایسے شخص کو بنایا جو بڑا پختہ اور آزمودہ کار کمیونسٹ تھا۔ یہ شخص اسلام اے کریموف تھا (اور اب آزاد اُزبکستان کا صدر ہے)۔ اس نے حکمت عملی میں اعتدال پیدا کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے لئے کسی قدر رواداری کا مسلک اختیار کیا۔

نئے مفتی محمد صادق محمد یوسف زیادہ ہوشیار نکلے۔ انہوں نے بیچ کی راہ اختیار کی۔ اپنے آقاؤں کو بھی خوش رکھا اور علماءِ اُمت کو بھی خوش رکھنے کی کوشش کی۔ ان کا طریقہ کار یہ تھا کہ اپنے دینی وعظ وتلقین کے لئے بار بار سرکاری ٹیلی ویژن پر آتے تھے۔ عائلی تعلقات' عورتوں کے حقوق' عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ایسے ہی دوسرے روزمرہ کے معاملات کے بارے میں ان کے ارشاداتِ عالیہ پر مبنی چھوٹے چھوٹے مضامین' اخباری کالم کی صورت میں اُزبکستان کے ایک اخبار ''ادبیات وصنعت'' میں باقاعدگی سے چھپنے لگے۔ مفتی صاحب کے مضامین کی اشاعت سے پہلے یہ اخبار اسلام پر باضابطہ اور منظم حملے کرنے کے سلسلے میں بہت مشہور تھا۔ مفتی صاحب نے بیچ کی راہ یوں اختیار کی کہ مذہب کے خلاف کوئی بات ٹی وی پر کہتے تھے نہ کالم میں لکھتے تھے' تاکہ مسلمان ناراض نہ ہوں' اور سیکولر قوتوں کے خلاف بھی کچھ کہتے تھے نہ لکھتے تھے' تاکہ حکومت ناراض نہ ہو۔ اس حکمت عملی کو رفتہ رفتہ علمائے دین اور عامۃ المسلمین منافقت اور مفتی صاحب کو منافق کہنے لگے۔ مسلمانوں میں اُن کے خلاف غیظ وغضب کے جذبات پیدا ہوئے۔ ان پر الزام عائد کیا گیا کہ سعودی عرب سے قرآن حکیم کے جو نسخے بطور ہدیہ آتے ہیں' مفتی صاحب ان کو بیچ کر مالدار اور ہٹے کٹے بن گئے ہیں۔ اس الزام کے تحت ان کی برطرفی کا عوامی مطالبہ کیا گیا' لیکن کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ اسلام اے کریموف کی مہربانی سے وہ اُس وقت برطرفی کی تہمت سے بچ گئے۔

کچھ تو گورباچوف کے عہد کی اسلام دشمنی کے ردِعمل میں زیادہ سختی' اور کچھ اُزبکستان کے مسلمانوں میں احیائے اسلام کی تحریک میں زیادہ شدت کے سبب عام بغاوت کا سا رجحان پیدا ہوا۔ سرکاری ذرائع ابلاغ کے مقابلے میں عوامی انفارمیشن نیٹ ورک پہلے تو چپکے چپکے' پھر علانیہ حرکت میں آ گیا۔ عوامی نیٹ ورک کا سب سے بڑا اور مؤثر ترین ذریعہ آڈیو کیسٹ ثابت ہوئے۔ نغموں' گیتوں' تقریروں اور خطبات سے بھرے ہوئے آڈیو کیسٹوں کے ذریعے اُزبک قومیت' اسلامی نظریات و تعلیمات اور دینی ثقافت وتہذیب کی تبلیغ کی گئی۔ کمیونزم سے پہلے اُزبکستان کتنا خوشحال اور مہذب ملک تھا' یہاں دینی مدارس تھے جہاں اخلاق وسیرت سازی پر زور دیا جاتا تھا۔ یہاں ہزارہا مسجدیں تھیں' جہاں لوگ ایک اَن دیکھے معبود کے حضور سربسجود ہوتے تھے۔ یہاں صوفیاء ہوتے تھے جو اُزبکوں کے نفس کا تزکیہ کرتے تھے۔ یہاں علماء ہوتے تھے جو لوگوں کے ذہن کو گمراہ ہونے سے بچاتے تھے۔ یہ سب واقعات دلچسپ کہانیوں اور ڈراموں کی صورت میں آڈیو کیسٹوں کے ذریعے

عام لوگوں تک پہنچائے گئے' حالانکہ سرکاری اور قانونی طور پر ایسے آڈیو کیسٹ پھیلانے کی سخت ممانعت تھی۔ یہ جرم تھا اور مستوجب سزا تھا۔ لیکن یہ جرم اب کھلم کھلا کیا جا رہا تھا اور ''مجرمین'' کو پکڑنے کی ہمت حکومت کے کسی بھی افسر کو نہ تھی۔ یہ اس امر کی بھی ایک علامت تھی کہ کمیونزم کا زور ٹوٹ رہا ہے اور مذہب کا زور از سرِ نو جڑ پکڑ رہا ہے۔

تحریک آزادی اور حصولِ آزادی کے عبوری دور میں حالت یہ تھی کہ ایک طرف سرکاری ذرائع ابلاغ مذہب اور بالخصوص اسلام کے خلاف مختلف طریقوں اور بہانوں سے اپنا کام پوری توانائی و طاقت سے کئے جا رہے تھے' دوسری طرف یہ عوامی آڈیو کیسٹ سیلاب کی طرح اُزبکستان کے شہروں اور دیہات میں بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ان میں موسیقی ہوتی تھی۔ گانے اور ترانے ہوتے تھے۔ سیاسی اور مذہبی مباحثے ہوتے تھے۔ مشہور رہنماؤں اور علماء کی تقریریں' قرآن کی تلاوت اور احادیث نبویؐ کے اقتباسات ہوتے تھے۔ بعض میں حالاتِ حاضرہ پر تنقیدی تبصرے ہوتے تھے۔ یہ آڈیو کیسٹ دیکھتے دیکھتے بازاروں میں ہر دکان پر اور گلیوں میں ہر مکان میں اونچی آواز میں سنے جانے لگے۔ آڈیو کیسٹوں کی انقلاب خیز آوازوں میں جب داداخان ہاسان کی نغمہ بار آواز بھی شامل ہوئی تو تحریک آزادی گویا نعرۂ تکبیر کے تابع ہوگئی۔ داداخان اس وقت اُزبکستان کا سب سے مشہور مغنی تھا۔ اُس کی آواز میں جادو تھا۔ جب اس کی آواز میں آزادی کے نغمے کیسٹوں میں آئے تو تحریک نے ایک طوفان کا رنگ اختیار کر لیا۔ اس کے نغموں میں ایک ہی پیغام تھا۔ اُزبکستان کے مسلمانو' متحد ہو جاؤ' اللہ کی رسی مضبوطی سے تھام لو' رُوسی سامراج کا جوا اپنی گردن پر سے اتار پھینکو۔ خاص خاص اسلامی تقریبات اور تہواروں مثلاً عید' بقرعید اور عید میلاد النبیؐ کے موقعوں پر داداخان کے خصوصی آڈیو کیسٹ جاری ہوتے تھے جو آناً فاناً اُزبکستان کے ایک ایک گاؤں' ایک ایک گھر میں پھیل جاتے تھے۔ کمیونسٹ حکومت دیکھتی کی دیکھتی رہ جاتی تھی کہ یہ سب کچھ کیونکر ہوا اور کیونکر ہو رہا ہے۔

بالآخر جون ۱۹۹۰ء میں اُزبکستان نے سوویت یونین سے الگ ہونے کا اعلان آزادی کر دیا اور ۳۱ راگست ۱۹۹۱ء کو سوویت یونین میں شامل دوسرے ملکوں کے ساتھ رُوسی استعمار سے آزاد ہو گیا۔ اعلان آزادی کے ساتھ ہی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جتنی بھی آہنی پابندیاں زار شاہی اور کمیونسٹ حکومت کے دوران عائد کی گئی تھیں' وہ سب موم کی زنجیروں کی طرح آتش عشق کی ہلکی سی آنچ ہی سے پگھل گئیں۔ مسلمان اب پانچ وقت کی نمازوں کے لئے جوق در جوق مسجدوں میں آنے لگے۔ مدارس کے دروازوں پر پڑے تالے ٹوٹ گئے۔ مدارس میں مردوں کے لئے الگ' عورتوں کے لئے الگ' بچوں کے لئے الگ درس قرآن کے سلسلے اور احادیث کے دورے جاری ہو گئے۔ اسلامی مطبوعات' جن کی تصنیف و تدوین و اشاعت پر قانونی پابندی تھی' وہ سب قوانین کو توڑ کر کتب فروشوں کی دکانوں پر سج سجا کر فروخت ہونے لگیں۔ اب جگہ جگہ دیواروں پر بسوں کے ذریعے

زیارات مقدسہ کے سفر کرنے کے اشارات نظر آنے لگے۔

لیکن پاکستان کی طرح اُزبکستان میں بھی یہ مسئلہ درپیش ہے کہ کونسا اسلام نافذ العمل ہونا چاہئے؟ ترقی پسند اور روشن خیال اور جدیدیت سے ہم آہنگ اسلام یا وہ اسلام جو مذہبی جماعتیں اور علماء پیش کر رہے ہیں۔ مذہبی جماعتوں کے پیش کردہ اسلام کو سرکاری طبقے' جن پر ابھی تک اشتراکیت کا رنگ چڑھا ہوا ہے' مغرب کی تقلید میں ''بنیاد پرستی'' اور ملائیت سے تعبیر کرتے ہیں اور حکومت کے تعبیر کردہ اسلام کو مذہبی طبقے سیکولرازم قرار دیتے ہیں۔ یہ بحث غالباً ہر اسلامی ملک میں چھڑی ہوئی ہے' جس کا فیصلہ بالآخر اجتہادی قوتوں کو کرنا ہوگا۔ اس صدی کے مجتہد کا انتظار ہے۔

آزادی کی میراث کے طور پر بحیرۂ ارال میں جرثومی اسلحے کا ایک خفیہ ذخیرہ بھی تھا جو سوویت یونین نے بنایا تھا۔ ۱۹۸۸ء میں سوویت آرمی نے اسے تباہ کرنے کی کوشش کی' تاکہ دنیا کو اس کا ثبوت نہ مل سکے' لیکن امریکی سائنس دانوں نے اس کی تباہی سے پہلے ہی اپنے سراغ رساں ذرائع سے اس کے شواہد اور معلومات حاصل کر لئے تھے۔

۱۹۹۲ء فروری میں صدر اسلام کریموف نے' جو کمیونسٹ پارٹی اُزبکستان کے صدر رہ چکے تھے' جمہوریت اور بنیادی انسانی حقوق کی پاس داری کا اعلان کیا' لیکن وسط ۱۹۹۳ء میں حزب اختلاف کی تمام سیاسی جماعتوں کو کچل کر رکھ دیا' حتیٰ کہ حکومت کے خلاف سرگرمیوں پر زیادہ سخت پابندیاں عائد کرنے کے لئے قانون میں ترمیم کی گئی۔ انتخابات میں شرکت سے روکنے کے لئے قانون میں ایسی ترامیم کی گئیں جن کی رو سے حکمران پارٹی کو سہولتیں حاصل ہوئیں اور حزب اختلاف کی جماعتوں کے لئے مشکلات پیدا ہوئیں۔

۱۹۹۹ء۔ مذہبی جماعتوں نے حکومت کے خلاف احتجاج اور محاذ آرائی کی' لیکن سیکولر حکومت نے ان کے خلاف شدید کارروائی کی۔ فروری میں تاشقند میں بم دھماکے ہوئے' جن کے نتیجے میں سولہ (۱۶) افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔

۲۰۰۰ء۔ جنوبی کرغستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ مذہبی جماعتوں کے مسلح رضا کار خطرے کا باعث بنے رہے۔ اُزبک کے لڑاکا طیارے بھی انہیں مار بھگانے میں ناکام رہے۔ ان کو ختم کرنے کے لئے رُوس نے اسلام کریموف کی فوجی امداد اور کم از کم ۳۰ ملین ڈالر کا اسلحہ فراہم کرنے کی پیشکش کی۔

جغرافیائی خدوخال

شاید ہی کسی دوسرے ملک کی سرحدیں اتنی آڑی ترچھی ہوں' جتنی کہ اُزبکستان کی ہیں۔ اس کی سرحدیں مغرب میں ترکمانستان' شمال میں قازقستان' مشرق میں کرغستان اور تاجکستان سے ملحق ہیں اور جنوب میں افغانستان کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس ملک کے چاروں اطراف میں اسلامی ممالک واقع ہیں اور اسلامی تہذیب و مذہب کا عام ماحول ہے۔

ارضی خدوخال کے اعتبار سے اُزبکستان میں زبردست رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ جہاں مشرق اور جنوب مشرق میں تیان شان اور پامیر جیسے پہاڑی سلسلے ہیں' وہاں ارال جھیل کے قرب وجوار کا علاقہ سطح سمندر سے بہت کم اونچا ہے۔ ایک طرف فرغانہ جیسی سرسبز وشاداب وادی ہے تو دوسری طرف قزل کم (سرخ ریگستان) اور کراکم (سیاہ ریت والا ریگستان) جیسے لق ودق' دنیا کے خشک ترین ریگستان ہیں۔ دریائے جیحوں اور دریائے آمو کے درمیان پھیلے ہوئے قزل کم ریگستان میں سال میں دس سنٹی میٹر (چار انچ) سے بھی کم بارش ہوتی ہے۔ جہاں کراکم ریگستان میں ریت کے ٹیلوں (برخان) کی بھرمار ہے' وہاں قزل کم کے ریگستان میں سرخ رنگ کی عریاں بنجر چٹانیں ہولناک منظر پیش کرتی ہیں۔

اُزبکستان کی جھیلوں میں ارال جھیل سب سے بڑی ہے۔ اس جھیل میں ہزاروں چھوٹے بڑے جزیرے ہیں۔ اُزبک زبان میں ''ارال'' کے معنی جزیرے کے ہیں۔ اس جھیل کی سب سے زیادہ گہرائی ستر میٹر ہے۔ وسط ایشیا کے دو بڑے دریا جیحوں اور آمو کا پانی جھیل میں گرتا ہے۔ اس کے باوجود جھیل کی سطح ہر سال نیچی ہو رہی ہے اور اس کا رقبہ بتدریج گھٹ رہا ہے۔

بڑے بڑے شہر

سمرقند' بخارا' تاشقند' فرغانہ' خیوا (خوارزم)' زرافشاں' اندیزاں' خوقند بڑے اور مشہور شہر ہیں۔ تاشقند اُزبکستان کا دارالحکومت ہے۔ یہاں کی آبادی ۲۴ لاکھ سے زائد ہے۔ یہ شہر ساتویں صدی عیسوی میں آباد ہوا تھا اور وسط ایشیا میں چین سے جنوب مغربی ایشیا اور یورپ کو جانے والے تاجروں کے لئے کاروبار اور قیام کا خاص مقام تھا۔ مسلمانوں کے عہد زریں میں بھی اس خطے کا دارالحکومت رہا۔ اس علاقے میں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں' جن کے باعث تاشقند کو کئی بار نقصان ہوا۔ ۱۹۶۶ء کے زلزلے میں تاشقند کا بیشتر حصہ تباہ ہو گیا تھا۔ تاشقند میں سوتی کپڑا' کیمیاوی اشیاء اور قالین بافی کے بہت سے کارخانے ہیں۔

سمرقند دوسرا بڑا شہر ہے جس کی آبادی پانچ لاکھ سے زیادہ ہے۔ اسلامی تہذیب کا یہ قدیمی گہوارہ دریائے زرافشاں کے کنارے آباد ہے۔ پندرھویں صدی میں یہ امیر تیمور کا دارالحکومت تھا اور چین سے دریائے والگا تک' حکومت کا سارا نظم ونسق سمرقند سے ہوتا تھا۔ یہاں کی خوبصورت مساجد اور مقبرے فنی اعتبار سے بے مثال ہیں۔ نیا سمرقند پرانے شہر کے اطراف میں پھیلا ہوا ہے۔ احادیث نبویؐ کے مشہور مجموعے ''صحیح بخاری'' کے مؤلف امام بخاری کا مزار سمرقند کے قریب ہے۔

اُزبکستان کے دوسرے شہروں میں المملک (ایک لاکھ)' اندیزان (تین لاکھ)' بخارا (اڑھائی لاکھ)' چرچک (ڈیڑھ لاکھ)' فرغانہ (دو لاکھ)' خوقند (دو لاکھ) قابلِ ذکر ہیں۔